WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف سُورۃ البقرۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضُورکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم جب ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ میں تشریف فرما ہُوئے تو یہ سُورۃ نازل ہُوئی۔ یہاں اسلامی دعوت کے جو مخاطب تھے وُہ مکّہ کے باشندوں سے مذہبی، ذہنی اَور عمرانی اعتبار سے مختلف تھے۔ خود دعوتِ اسلامی جس مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی اُس کی ضروریات اَور تقاضے بھی بالکل نئے تھے۔ اِس لیے ہمیں اِس سُورت میں جو چالیس رکوع اَور دو سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے، جس کے الفاظ چھ ہزار اکتیس اَور حرُوف کی تعداد بیس ہزار ہے۔ مکّی سُورتوں کے اعتبار سے بیّن اَور صاف فرق معلوم ہوتا ہے۔

اہلِ مکّہ مُشرک وبُت پرست تھے۔ وحی، نبوّت، قیامت وغیرہ کا کوئی تصوّر اُن کے ذہن میں نہ تھا قتل وغارت اَور لُوٹ مار میں وُہ فخر اَور لذّت محسُوس کرتے تھے۔ اِس لیے مکّہ میں جو سُورتیں نازل ہوئیں ان میں انھیں عقائدِ باطلہ اَور اعمالِ فاسدہ کی اصلاح پیشِ نظر تھی۔ یثرب کے اصلی باشندے گو انصار تھے لیکن قوّت واقتدار یہوُد کے ہاتھ میں تھا۔ اَور انصار مذہبی اَور ذہنی طور پر یہوُد سے بہت متاثر تھے۔ یہوُد کیونکہ اہلِ کتاب تھے اس لیے وحی، رسالت، قیامت، جنّت، دوزخ وغیرہ پر اُن کا ایمان تھا لیکن بدقسمتی سے وُہ اپنی قومی برتری کے نشہ میں اِس حد تک مست تھے کہ وُہ یہ تصوّر ہی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے علاوہ نبوّت کسی اَور کو بھی عطا کی جاسکتی ہے۔ عملی اعتبار سے اُن کی پستی کی یہ حالت تھی کہ وُہ معمولی سے دُنیاوی فائدہ کے لیے تورات کی واضح آیتوں کا انکار بلکہ ان میں تحریف کرنے میں ذرا جھجک محسُوس نہ کرتے۔ تجارت کی منڈیوں پر اُن کا قبضہ تھا۔ یثرب کی زرخیز زمینیں اَور شاداب باغات ان کی ملکیت میں آچکے تھے۔ علم و دانش میں انصار کو اُن سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ آئینی طور پر نہ سہی لیکن عملی طور پر حکومت یہوُد کی تھی۔

یہ حالات تھے جب رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا اَور یہوُد وانصار کو اسلام کی دعوت دی۔ یہوُد تو تلملا گئے۔ اُنھیں اپنی عظمت وجلال کے محلّات مسمار ہوتے دِکھائی دینے لگے۔ کہاں ان کی خود بینی اَور خود پرستی اَور کہاں ایک نئے دین کے قبُول اَور ایک نئے رسُول کی اطاعت کی دعوت۔ یہوُد کیسے اِس دین کو قبول کر لیتے۔ ان کے سامنے تو رکاوٹوں کے کئی پہاڑ تھے۔ ایک سے ایک بلند اَور ایک سے ایک کٹھن۔ اب قرآن کا کام یہ تھا کہ ان رکاوٹوں کو دُور کرے اَور ان فلک بوس چوٹیوں کو پیوندِ خاک۔ اِسی لیے مدینہ طیّبہ میں جو پہلی سُورت نازل ہوئی اس کے کئی رکوع یہوُد کی

اصلاح کے لیے وقف ہیں۔

دوسری نئی صورتِ حال جس سے مدینہ میں اسلام کو واسطہ پڑا وہ یہ تھی کہ انصار کی اکثریت کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اور مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کے بعد اسلام متفرق اور منتشر افراد کا مذہب نہیں رہا تھا بلکہ ایک جماعت اور ایک قوم کا دین بن گیا تھا اور قوم بھی ایسی جس میں ترقی اور برتری کی بے پناہ صلاحیتیں بیدار ہو رہی تھیں۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسے مضبوط خطوط پر ان کی تنظیم کر دی جائے کہ کثرت وحدت میں کھو جائے۔ اور کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جس میں بدنظمی اپنے قدم جما سکے۔ اسے اب ضرورت تھی ایسے قانون کی جو اُن کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرے۔ ایسے اقتصادی نظام کی جو عدل و انصاف پر مبنی ہوتے ہوئے معاشی خوشحالی کا ضامن ہو۔ سیرت و اخلاق کے ایسے قالب کی جس میں ملت کا ہر فرد اپنے کردار کو ڈھالے تاکہ اس کی خوبیاں اور نیکیاں اجتماعی رنگ اختیار کر لیں۔ اُسے ضرورت تھی ایک ایسے آئین کی جس پر ان کی عالمگیر سیاست کی بنیاد رکھی جائے۔ ان اہم ضروریات کے پیشِ نظر اس سورت میں قانون، اخلاق، آئین اور سیاست کے بیشتر قواعد و ضوابط بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

ایک اور چیز بھی غور طلب ہے مکی زندگی میں تو مسلمان کفار کے ظلم و ستم سہتے اور چپ ہو جاتے۔ مدینہ طیبہ میں جب مسلمان اکٹھے ہو گئے تو کفار نے اپنی اجتماعی طاقت سے اسلام کو مٹانے کا عزم کر لیا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو کفر سے ٹکر لینے کی اجازت دے دی اور انھیں یہ بتایا کہ اپنی بےکسی اور بےبسی اور مخالف کی قوت و سطوت سے مت گھبراؤ۔ فتحیاب تو وہی ہوتا ہے جس کے شاملِ حال میری تائید اور نصرت ہوتی ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے یقیناً تمھیں غالب و منصور ہو۔

ملتِ اسلامیہ کے لیے قبلہ کا تعین بھی فرما دیا تاکہ اُن کی توجہات کا ظاہری مرکز بھی ایک ہی ہو جائے اور اُن کی عبادتیں انتشار کا شکار ہو کر اپنا جماعتی حسن نہ کھو دیں۔

اگر ان امور کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے آپ سورۃ بقرہ کا مطالعہ کریں گے تو شاید زیادہ مفید ثابت ہو۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتٌّ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ بقرہ مدنی ۲۸۶ آیتیں ۴۰ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہُوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى

الف لام میم ۱؎ یہ ذی شان کتاب ۲؎ ذرا شک نہیں اس میں ۳؎ یہ ہدایت ہے

۱؎ الف۔ لام میم مفسّرین کرام نے اِن حرُوف کی تشریح کرتے ہُوئے متعدّد اقوال تحریر فرمائے ہیں میرے نزدیک احسن قول یہ ہے کہ الٓمّٓ اور دیگر حروفِ مقطّعات سِرٌّ بَیْنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ یہ وُہ راز ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولؐ کے درمیان ہیں۔ صاحب رُوح المعانی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ فلا یعرفه بعد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلّم الا الاولیاء الورثة فهم یعرفونه من تلك الحضرة وقد تنطق لهم الحروف کما کانت تنطق لمن سبح فی کفه الحصی یعنی اِن حرُوف کا صحیح مفہُوم نبی کریمؐ جانتے ہیں اور اولیاء کاملین۔ ان کو یہ علم بارگاہِ رسالت سے عطا ہوتا ہے بعض اوقات یہ حرُوف خود اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اس ذات پاک سے گویا ہوتے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی۔

۲؎ اِس سے مُراد قرآنِ کریم ہے۔ ذلك اگرچہ عام طور پر اُس مشارٌ الیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جو دُور ہو لیکن ایسے مشارٌ الیہ کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے جو حسًّا تو نزدیک ہو لیکن اپنی شان اور رُتبہ کے اعتبار سے بہت بلند اور دسترس سے دُور ہو۔ اِس لیے ترجمہ میں قُربِ حسی اور بُعدِ رتبی دونوں کا لحاظ رکھتے ہُوئے ترجمہ کیا گیا ہے "یہ ذی شان کتاب"۔

۳؎ یہ نہیں فرمایا کہ لا یراب فیه کہ اِس میں شک نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس پر شک وشبہ کی گرد اُڑانے والوں کی نہ تب کمی تھی نہ اَب ہے۔ بلکہ فرمایا لا ریب فیه یعنی اِس کے واضح دلائل، اس کی روشن تعلیمات، اس کے بیان کردہ تاریخی واقعات اور اس کی پیشین گوئیاں حق وصداقت کے وُہ بلند مینار ہیں جہاں شک وشبہ کا غبار نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی شُبہ کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی کج فہمی اور کور ذوقی ہے۔ اگر یرقان کے بیمار کو ہر چیز زرد دِکھائی دے تو یہ اُس کی آنکھوں کا قصُور ہے۔ ہر چیز تو زرد نہیں۔

معانقة الجزء الثانی

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ

پرہیزگاروں کے لیے ۴ وُہ جو ایمان لائے ہیں غیب پر ۵ اور

۴ اگرچہ قرآن کریم ھدی للناس یعنی سارے انسانوں کے لیے پیغامِ ہدایت ہے۔ لیکن اس کی ہدایت سے فائدہ کیونکہ پرہیزگار ہی اٹھاتے ہیں اس لیے یہاں اس لحاظ سے تخصیص کردی۔ اور ایسا استعمال ہر زبان میں عام ہے تقویٰ کا لغت میں تو یہ معنی ہے جعل النفس فی وقایۃ مما یخاف یعنی نفس کو ہر ایسی چیز سے محفوظ کرنا جس سے ضرر کا اندیشہ ہو۔ عرفِ شرع میں تقویٰ کہتے ہیں ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانا۔ اس کے درجے مختلف ہیں۔ ہر شخص نے اپنے درجہ کے مطابق اس کی تعبیر فرمائی ہے۔ میرے نزدیک سب سے مؤثر اور آسان تعبیر یہ ہے۔ التقوی ان لا یراك اللّٰہ حیث نھاك ولا یفقدك حیث امرك یعنی تیرا رب تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے تجھے روکا ہے اور اس مقام سے تجھے غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے تجھے حکم دیا ہے۔

۵ یہاں سے المفلحون تک ان متقین کی علامات بیان کی گئی ہیں جو قرآن کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان کی پہلی علامت یہ ہے کہ وُہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان کا معنی ہے محکم یقین۔ اور غیب ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو ظاہری حواس کی رسائی سے بلند اور عقل کی سمجھ سے بالاتر ہو۔ مثلاً وحی، فرشتے، قیامت، جنت، دوزخ اور خود ذاتِ الٰہی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو نہ آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہیں اور نہ عقل سے سمجھی جاسکتی ہیں۔ ان کے جاننے کا فقط ایک ذریعہ ہے۔ اور وُہ نبی کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس کی زبان حق ترجمان سے جو کچھ نکلے اس پر انسان محکم یقین رکھے۔ اس لیے ایمان بالغیب کو تقویٰ کی اوّلین شرط قرار دیا گیا ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ شریعتِ اسلامیہ کے وُہ احکام جن کی حکمتوں کے سمجھنے سے انسانی عقل (ابتداءً) قاصر رہتی ہے یا وُہ ارشادات جو اس کے ذاتی مفاد یا اس کے گروہی اور محدود وطنی منافع کے خلاف ہوتے ہیں تو ایسے حکموں کو تسلیم کرنا بھی ایمان بالغیب میں داخل ہے یعنی نبی کی بتائی ہُوئی ہر چیز کو سچّا جاننے اور نبی کے ارشادات کے مفید اور نفع مند ہونے پر اسے اس درجہ یقین ہو کہ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود وُہ ان کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ ہو۔ اعتماد اور اطاعت کا یہ مقام جب تک کسی کو میسّر نہیں ہوتا وُہ قرآن کی ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ بلکہ بے یقینی اور تذبذب کی یہ کیفیت اس کے تمام اعمال کو بے نتیجہ کردیتی ہے ؎

سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی

تو معلوم ہُوا کہ متقی کی پہلی علامت یہ ہے کہ وُہ حضور نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بتائی ہُوئی تمام چیزوں پر محکم یقین رکھتا ہے۔

يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③

صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز ۶ اور اس سے جو ہم نے اُنھیں روزی دی خرچ کرتے ہیں ۷

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

اور وُہ جو ایمان لاتے ہیں ۸ اُس پر (اے حبیب) جو اُتارا گیا ہے آپ پر اور جو

۶ یہ متّقین کی دُوسری علامت ہے۔ قرآن میں یہ حکم کہیں نہیں کہ نماز پڑھا کرو بلکہ جب بھی فرمایا تو یہی کہ نماز قائم کرو۔ اور اقامة الشئ توفیة حقه (راغب) نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو تمام حقوقِ ظاہری اور باطنی کے ساتھ ادا کرو۔ نماز کے ظاہری حقوق تو یہ ہیں کہ سُنّتِ نبوی ؐ کے مُطابق تمام ارکان بجا لائے جائیں۔ اور باطنی حقوق یہ ہیں کہ تو خضوع وخشوع میں ڈُوبا ہوا ہو اور احسان کی کیفیت طاری ہو یعنی تو محسُوس کر رہا ہو کہ کانك تراه گویا تو اپنے معبُود کو دیکھ رہا ہے۔ ورنہ کم از کم اتنا تو ضرور ہو کہ فانه یراك کہ تیرا رب تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس ذوق وشوق سے ادا کی ہُوئی نماز ہی وُہ نماز ہے جسے دِین کا ستُون اور مومن کی معراج فرمایا گیا ہے۔ ورنہ ؏

میرا قیام بھی حجاب میرا سجُود بھی حجاب

۷ الرزق فی اللغة النصیب والعطاء ویطلق علی الحسی والمعنوی (المنار) لُغت میں رِزق کہتے ہیں حصّہ اور بخشش کو خواہ حسّی ہو یا معنوی۔ مال، اولاد، عِلم ومعرفت اِس لحاظ سے سب رزق ہیں۔ اور یہاں بھی رِزق کا یہی لغوی معنی مُراد ہے۔ اِس آیت سے پتہ چلا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے مال وجاہ ہو، علم وعرفان ہو کسی کا اپنا نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس میں ہے کہ وُہ اِس میں بُخل نہ کرے۔ بلکہ جو اِن نعمتوں سے محرُوم ہیں ان میں تقسیم کرتا رہے۔ دولت مند اپنی دولت سے، عالم اپنے عِلم سے اور عارف اپنے رُوحانی فیوُضات سے مستحقین کو مالا مال کرے۔ یہ فیضِ عام متّقین کی تیسری علامت ہے۔

۸ اِس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وُہ لوگ جو اِنسانی رُشد وہدایت کے لیے آسمانی وحی کے قائل ہی نہیں بلکہ اپنی عقل کو ہی اپنی رہنمائی کے لیے کافی سمجھتے ہیں یا وحی کے قائل تو ہیں لیکن بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ وُہ قرآنی ہدایت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ یہ چوتھی علامت ہے۔ نیز اِس آیت میں حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام کی ختمِ نبوّت کی بیّن دلیل ہے۔ کیونکہ وحی جس پر ایمان لانا ضروری ہے وُہ یا تو حضور کریم ؐ پر نازل ہُوئی یا حضور ؐ سے پہلے۔ اگر نبوّت کا سلسلہ جاری ہوتا تو حضور کریم ؐ کے بعد بھی وحی نازل ہوتی اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا۔ اس صُورت میں آیت یُوں ہوتی وما انزل

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾

اُتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر بھی وُہ یقین رکھتے ہیں ۹

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

وُہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے اور وُہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں ۱۰ بے شک جنھوں نے

كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾ خَتَمَ

کفر اختیار کر لیا ہے یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ اُنھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ۱۱ وُہ ایمان نہیں لائیں گے مُہر لگا دی

من قبلك وما نزل من بعدك۔

۹ اِس آخرت کی زندگی کو صرف تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایقان ضروری ہے۔ ایقان کہتے ہیں اتقان العلم بانتفاء الشك والشبهة عنه یعنی علم کی وُہ پختگی جس میں شک و شبہ کا گزر نہ ہو۔ اور جب کسی چیز یا حقیقت کا علم اتنا پختہ ہو جاتا ہے تو وُہ عقل، دل اور ارادہ کو مسخّر کر لیتا ہے۔ انسان اس کے خلاف نہ کچھ سوچ سکتا ہے اور نہ کچھ کر سکتا ہے جب روزِ جزاء کے ساتھ کسی کا علم ویقین اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو عمل کی شاہراہ پر ہر قدم اُٹھانے سے پہلے وُہ ان نتائج کا اندازہ لگا لیا کرتا ہے جو اس پر مرتّب ہونے والے ہیں ہمیں اپنے قول وعمل میں جو افسوسناک تضاد دکھائی دے رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں قیامت پر وُہ ایقان نہیں جو اپنی قوّت سے ہمارے عمل کو ہمارے قول سے ہم آہنگ کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روزِ جزاء پر یقین بخشے تاکہ قول وعمل کی یہ کشمکش ختم ہو جس نے ہمیں ذلّت کی پستیوں میں دھکیل دیا ہے اور ہمارا تماشہ دیکھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

۱۰ ان اوصاف سے جو متّصف ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وُہی فلاح پانے والے ہیں۔ فلاح کسی اُدھوری اور جزوی کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ فلاح اس مکمّل کامیابی کو کہا جاتا ہے جس کے دامن میں دُنیا و آخرت کی ساری سعادتیں اور برکتیں سمٹ آئی ہوں۔ ليس في كلام العرب كله اجمع من لفظة الفلاح لخيرى الدنيا والآخرة كما قاله ائمة اللغة (تاج العروس) ائمّہ لغت نے تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے زیادہ اور کوئی جامع لفظ نہیں جو دنیا و آخرت دونوں کی خیرات و برکات پر دلالت کرتا ہو۔ اب آپ اولئك هم المفلحون کے مُژدہ پر پھر غور کریں۔

۱۱ دعوتِ حق قبول کرنے والے خُوش نصیبوں کے ذکر کے بعد اب اُن بدنصیبوں کا حال بیان ہوتا ہے جنھوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر بعض لوگ بلاوجہ جبر و قدر کی بحث چھیڑ دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ان بے چاروں کا کیا قصور۔

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں پر اور ان کے کانوں پر ١٢ے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے

جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ وُہ ایمان نہیں لائیں گے تو وُہ ایمان کیونکر لا سکتے ہیں۔ اور جب خُود خُدا نے اُن کو ایمان لانے سے باز رکھا تو اُنھیں سزا کیوں دی جائے اور ملامت کیوں کی جائے۔ کاش اتنی بڑی جرأت سے پہلے وُہ جبر کی حقیقت پر ہی غور کر لیتے۔ جبر کیا ہے؟ اِنسان کی بے بسی کی وُہ حالت جس میں وُہ کسی ایک بات کے کرنے پر مجبُور ہو اور اُسے چھوڑ کر کوئی دُوسری چیز اختیار کرنے پر قادر نہ ہو۔ اگر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تشریف نہ لاتے۔ واضح دلائل اور روشن معجزات سے حق کو نکھار کر نہ رکھ دیتے اور قرآن کی دِل ہلا دینے والی آیتیں سُنا سُنا کر ہدایت اور گمراہی کی راہوں کو الگ الگ نہ فرما دیتے اور کوئی انسان وِرثہ میں ملے ہُوئے کفر و شرک میں سرگرداں رہتا تو جبر کی کوئی بات بھی تھی۔ لیکن اب جب کہ کتابِ الٰہی کی روشنی نے حق اور باطل کو بالکل مُمتاز کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اپنے مُعجزات اور اپنے دلائل سے غلط فہمی کا شائبہ تک باقی نہ چھوڑا۔ اس کے بعد بھی جو باطل کو چھوڑ کر ہدایت کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہُوا اور گمراہ ہی رہا تو وُہ باطل سے چمٹے رہنے پر مجبُور نہ تھا بلکہ سب کُچھ سمجھ لینے کے بعد جان بُوجھ کر اس نے حق کو قبول نہیں کیا اور باطل سے مُنہ نہیں موڑا۔ ایسے لوگوں کو مزید سمجھانا واقعی بے سُود ہے۔ کیونکہ سمجھایا تو اُسے جائے جو سمجھتا نہ ہو۔ اور جو سمجھ چُکا ہو اور پھر کفر پر بضد ہو وُہ لاعلاج مریض ہے۔ وُہ شفایاب نہیں ہو سکتا۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس مخصوص گروہ کی نفسیاتی حالت کا تجزیہ کیا ہے جو محض تعصّب اور ہٹ دھرمی کے باعث دانستہ کُفر کی راہ پر دوڑے چلے جا رہے تھے یہاں جبر و قہر کا احتمال ہی نہیں تاکہ اس بحث میں اُلجھا جائے۔

١٢ے یہاں بھی بعض لوگوں کو یہ کہتے سُنا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو غریب کیونکر ایمان لاتے۔ اُن کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ انسان کے اعمال پر کوئی نتیجہ اور اثر مرتب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر انسان جسمانی صحت کے اصولوں کو لگاتار توڑتا رہے تو اس کا بلانوش معدہ جو ہر چیز ہضم کر لیا کرتا تھا کیا غذا ہضم کرنے سے معذُور نہیں ہو جاتا؟ کیا اس کا جگر خُون پیدا کرنا چھوڑ نہیں دیتا؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو رُوحانی صحت کے بھی چند اصُول ہیں جن کی پابندی سے رُوحانی قوتیں نشو و نما پاتی ہیں۔ اور جن کی پیہم خلاف ورزیوں سے وُہ قوتیں ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دِل سے حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیّت سلب ہو جاتی ہے۔ آنکھیں دیکھتی تو ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتیں۔ کان سُنتے تو ہیں لیکن نصیحت قبول نہیں کرتے۔ بس اسی کیفیّت کا اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ ان کفّار کی پیہم نافرمانیوں سے، حق سمجھ لینے کے باوجُود اس سے مسلسل انکار کرنے کی وجہ سے ان کے دِل و دماغ اور دِیدہ و گوش کی ساری قوتیں ناکارہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ تو ان کی یہ محرُومیاں نتیجہ ہیں ان مسلسل نافرمانیوں کا۔ اور طبعی اثر ہے اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصّب کا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پہلے ہی انھیں ہوش فہم

ع ٧

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ

بڑا عذاب ہے اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ١٣ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ

الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا

قیامت پر حالانکہ وُہ مومن نہیں ١٤فریب دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو ١٥ اور

يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

(حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو (اور اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے ان کے دِلوں میں بیماری ہے

وقفِ لازم

سے محرُوم کر دیا گیا تھا تاکہ وُہ حق کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ اِس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدّد موقعوں پر اِس قدر واضح فرمایا ہے کہ غلط فہمی کی گنجائش تک باقی نہیں چھوڑی۔ مثلاً ایک جگہ اِرشاد ہے بل طبع الله عليها بكفرهم۔ یعنی ان کے کُفر و انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں پر مُہر لگا دی۔ یعنی پہلے سے ان کے دِل مُہر شدہ نہ تھے بلکہ ان کے کفر و اِنکار اور اس پر ان کے شدید اصرار کی پاداش میں انھیں اس نعمت سے محرُوم کر دیا گیا۔ ایک اور جگہ اِرشاد ہے بل ران علی قلوبھم ماکانوا یکسبون یعنی جو کرتوت وُہ کیا کرتے تھے اِن کا مَیل اُن کے دِلوں پر جم گیا ہے اور ان کے دِلوں کا روشن آئینہ اِس قدر مکدّر ہو گیا ہے کہ آفتابِ ہدایت کی روشن کرنیں اس میں چمک پیدا نہیں کر سکتیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حُسنِ عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

١٣ یہاں سے منافقوں کا ذِکر شروع ہوتا ہے۔ مُنافق اُس کو کہتے ہیں جو زبان سے اسلام کا اِقرار کرے لیکن دِل سے مُنکر ہو۔ اِسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ کر دُنیاوی فوائد حاصل کرنے کیلیے کئی موقع شناس اپنے آپ کو مُسلمان بتانے لگے تھے۔ نیز وُہ بد باطن حاسد جو کھلے طور پر اِسلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے وُہ مُسلمانوں میں شامل ہو کر سازشوں اور فِتنہ انگیزیوں کا جال بچھا کر مُسلمانوں کو پریشان کرنا چاہتے۔ ہجرت سے پہلے مُنافقین کا نِشان نہیں مِلتا۔ کیونکہ اس وقت مُسلمان ہونا ہر قِسم کے ظلم و سِتم کا تختۂ مشق بننا تھا۔ اِس لیے کِسے کیا پڑی تھی کہ ایسے دین کے لِیے مُصیبتوں کو دعوت دے جس پر اُس کا اِیمان ہی نہیں۔ وہاں تو صرف وُہ لوگ ہی اِسلام قبُول کرتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول پاک کے لِیے جان، مال، اولاد غرضیکہ سب کچھ قربان کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

١٤ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مُسلمان وُہی ہے جو زبان کے اقرار کے ساتھ دِل سے تصدیق بھی کرے۔ اور جو دِل سے تصدیق نہ کرے وُہ مومن نہیں ہو سکتا۔ خواہ اِیمان و اِسلام کے دعویٰ میں وُہ کِتنا ہی چرب زبان ہو۔

١٥ وُہ یہ فریب اللہ تعالےٰ سے نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کے رسُولؐ سے کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بتا دیا کہ جو اللہ کے رسُولؐ کے ساتھ فریب کرتے ہیں وُہ خُود اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب کرتے ہیں۔ اور اِس دھوکہ بازی کا وبال اُن پر ہی

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

پھر بڑھا دی ۱۶؎ اللہ نے ان کی بیماری اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وُہ جھوٹ بولا کرتے تھے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جب کہا جائے اُنھیں کہ مت فساد پھیلاؤ زمین میں ۱۷؎ تو کہتے ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

ہوشیار! وُہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور جب کہا جاتے اُنھیں

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ

ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف خبردار! بے شک

پڑے گا۔ وُہ اسلام اور اللہ تعالیٰ کے رسُولؐ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔ کیونکہ یہ وُہ نُور ہے جس کو ہمیشہ تاباں و درخشاں رکھنے کا ذمہ دار خُود اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۶؎ حضورکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خلاف منافقین کے دل میں عداوت کے جو جذبات پرورش پا رہے تھے اور حسد اور غصّہ کی جو چنگاریاں چٹخ رہی تھیں ان کو قرآن نے مرض سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب وُہ حضورکریمؐ اور اسلام کی روزافزوں عزّت اور ترقّی کو دیکھتے تو حسد و عناد کے شعلے بھڑک اُٹھتے۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر اُنھوں نے اس مرض کو یُونہی بڑھنے دیا اور اس کا علاج نہ کیا تو جس طرح جسمانی بیماریاں جسمانی موت کا باعث بنتی ہیں اسی طرح ان کا یہ مرض ان کے قلب و رُوح کا گلا گھونٹ کر رکھ دے گا۔

۱۷؎ اس آیت میں ان کے دلوں کے بیمار ہونے کی دلیل پیش کی جارہی ہے۔ وُہ دن رات فتنہ و فساد پھیلانے میں اور حق کی شمع بُجھانے میں مصرُوف ہیں اور اگر ان کی فتنہ پردازیوں کی طرف توجہ دلا کر انھیں باز رہنے کو کہا جاتا ہے تو اُلٹا گھُورتے ہیں اور کہتے ہیں آپ ہمیں فسادی کہتے ہیں۔ ہم ہی تو امن و اصلاح کے لیے ہر وقت کوشش کر رہے ہیں۔ اب جو شخص فساد پھیلانے اور حق کا چراغ گُل کرنے کو اصلاح کہنے پر مُصر ہو اس کے قلب و نظر کو اگر بیمار نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ اب آپ اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالیئے۔ جتنے نئے فرقے، نئے مذہب جنم لے رہے ہیں اُن کے بانی بھی دین کی اصلاح اور قوم کی فلاح کا دعویٰ ہی کرتے ہیں لیکن ان کی فتنہ پردازیاں آئے دن جو گُل کھلا رہی ہیں ان کے باعث تو قوم کا ذہنی اتحاد بھی پاش پاش ہوتا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نادان دوستوں یا دانا دُشمنوں کے مکر و فریب سے اُمّت کو بچائے اور ہمیں توفیق بخشے

هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ

وُہی احمق ہیں مگر وُہ جانتے نہیں ۱۸؎ اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (ان کا) مذاق اُڑا رہے تھے ۱۹؎

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ

اللہ سزا دے رہا ہے اُنھیں اس مذاق کی ۲۰؎ اور ڈھیل دیتا ہے اُنھیں تاکہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں (یہ) وُہ

کہ ہم ان کو پہچان سکیں۔ آمین۔

۱۸؎ وُہ لوگ جن کے نزدیک نفع و نقصان اور سُود و زیاں جانچنے کی کسوٹی صرف دُنیا کا عیش و آرام اور عزّت و جاہ ہے اُن کے نزدیک وُہ ہستیاں عقل و دانش سے محروم ہیں جو اپنے دین و ایمان کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتی ہیں لیکن حقیقت میں ان سے زیادہ دانا اور کون ہے جنھوں نے فانی دے کر باقی کو لے لیا جنھوں نے جان دے کر اپنے مالک کی رضا حاصل کر لی۔ "ورضوان من اللہ اکبر" اور ان سے بڑھ کر احمق کون ہے جنھوں نے چند روزہ زندگی کی راحتوں کے عوض اپنے آپ کو ابدی راحتوں بلکہ اپنے رب کریم کی خوشنودی سے محروم کر دیا۔ اس لیے قرآن نے فرمایا الا انھم ھم السفھاء۔

۱۹؎ منافقین کا رویّہ یہ تھا کہ مسلمانوں سے ملتے تو اُنھیں کہتے کہ ہم ایمان لا چکے ہیں۔ اور کفّار کے سرغنوں کے پاس تنہائی میں جا کر اُنھیں یقین دلاتے کہ ہم اپنے مذہب پر قائم ہیں اور مُسلمانوں کے ساتھ ہماری بات چیت اور اُٹھنا بیٹھنا اس وجہ سے ہرگز نہیں کہ ہم اُن کا دین قبول کر چکے ہیں بلکہ ہم تو اس طرح اُن کو بے وقوف بناتے ہیں اور اُن کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔

۲۰؎ علّامہ قرطبیؒ نے لفظ استہزاء کی لغوی تحقیق کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ اصل الاستھزاء الانتقام۔ استہزاء کا معنی انتقام لینا ہے۔ سند کے طور پر یہ شعر بھی لکھا ہے ؎

قد استھزأوا منھم بالفی مدجج — سراتھم وسط الضحاضح جُثّم

اس تحقیق کے مُطابق اللہ یستھزئ بھم کا معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی شرارتوں کا انتقام لیتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف استہزاء کی نسبت میں کوئی قباحت نہیں۔ نیز اہل عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی کام کسی فعل کی سزا دینے کے لیے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اسی لفظ سے کر دیتے ہیں جس لفظ سے اس فعل کی تعبیر کی گئی ہو جس پر سزا یا عتاب کیا جا رہا ہے۔ مثلاً جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ یعنی بُرے فعل کی جزاء بھی اسی طرح بُری ہُوا کرتی ہے۔ حالانکہ سزا جو عدل و انصاف کا عین تقاضا ہوتا ہے بُری نہیں ہوتی۔ یا نسوا اللہ فانسٰھم۔ اُنھوں نے خدا کو بُھلا دیا اور خدا نے اُن کو بُھلا دیا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا

لوگ ہیں جنھوں نے خرید لی ۲۱ گمراہی ہدایت کے بدلے مگر نفع بخش نہ ہوئی اُن کی (یہ) تجارت ۲۲ اور وُہ

مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّاۤ اَضَآءَتْ

صحیح راہ نہ جانتے تھے ۲۳ ان کی مثال اس شخص ۲۴ کی سی ہے جس نے آگ روشن کی ۲۵ پھر جب جگمگا اُٹھا

مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

اُس کا آس پاس تو لے گیا اللہ اُن کا نُور اور چھوڑ دیا اُنھیں گھُپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔

حالانکہ خُدا کی ذات بھُول سے پاک ہے لیکن ان کے بُھلانے پر جو سزا دی گئی اُس کو بُھلانے سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح استہزاء پر مُنافقین کو جو سزا دی گئی اُس کو بھی استہزاء سے بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ استعمال محاورہ عرب کے عین مُطابق تھا۔ اِس لیے کفّار جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے کسی ادنیٰ سے بہانے کے متلاشی رہتے تھے اِس اِستعمال پر کوئی اعتراض نہ کرسکے۔

۲۱ اشتراء کا معنی ہے خریدنا، قیمت ادا کر کے کوئی چیز لینا۔ یہاں اشتراء کا یہ معنی تب درست ہوسکتا تھا جب کہ مُنافقوں کے پاس دولتِ ایمان ہوتی اور اُسے دے کر وُہ کفر خریدتے۔ وہاں تو پہلے بھی کفر ہی کفر تھا۔ اِس لیے علّامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے۔ کہ یہاں اشتروا بمعنی استحبوا ہے یعنی اُنھوں نے کفر کو پسند کر لیا اور حق کو قبول کرنے سے اِنکار کر دیا۔ فرماتے ہیں لغتِ عرب میں شراء کا لفظ ایک چیز کو دُوسری چیز سے بدل لینے کے معنی میں عام مستعمل ہے۔ والمعنی استحبوا الکفر علی الایمان .... وانما اخرجه بلفظ الشراء توسعا .... والعرب تستعمل ذلك فی کل من استبدل شیئاً بشیئ (القرطبی)

۲۲ اُنھوں نے مُنافقت کا نقاب تو اِس لیے ڈالا تھا کہ وُہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوکر دُنیاوی فوائد حاصل کریں گے۔ مالِ غنیمت سے اُنھیں حصّہ ملے گا اور اُن کی چودھراہٹ قائم رہے گی لیکن ان کی کوئی اُمیّد بر نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا پردہ چاک کر دیا۔ حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے سرِ محفل ایک ایک کا نام لے کر اسے مسجد سے نکال دیا۔

۲۳ نفع کمانا تو کجا ان احمقوں نے تو اپنا سرمایہ (فطرتِ سلیمہ) ہی تباہ کر دیا۔ وھم ضیعوا راس المال وھی الفطرة وما حصلوا الفضل بادراك الحق ونیل الکمال (مظہری)

۲۴ مَثَلٌ، مِثْلٌ اور مَثِیْلٌ تینوں کا معنی نظیر ہے لیکن اس کا عام اِستعمال ضرب المثل (اُردو) کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور بطورِ استعارہ ایسی حالت کے بیان کو بھی مثل کہتے ہیں جس میں نُدرت اور اوپرا پن ہو۔ یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں مذکور ہُوا ہے۔ یعنی اِن مُنافقوں کی عجیب و غریب حالت ایسی ہے جیسے اُن لوگوں کی جن کا ذکر اِس آیت میں ہے۔

۲۵ مُنافقوں کے دو گروہ تھے ایک وُہ جو دِل سے کفر پر جمے ہُوئے تھے اور صرف زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے دُوسرا

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۸﴾ اَوۡ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ

یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں ۲۶ سو وہ نہیں پھریں گے یا پھر جیسے زور کا مینہ برس رہا ہو بادل سے ۲۷

فِیۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ یَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ

جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو ٹھونستے ہیں اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں

مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِیۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹﴾

کڑک کے باعث موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرے ہُوئے ہے کافروں کو

یَكَادُ الۡبَرۡقُ یَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا

قریب ہے کہ بجلی اُچک لے جائے ان کی بینائی جب چمکتی ہے ان کے لیے تو چلنے لگتے ہیں

وُہ جو ایمان تو قبول کرتے لیکن مصائب و مشکلات سے گھبرا کر پھر اسلام سے دست بردار ہو جاتے۔ پہلے گروہ کی مثال اس آیت میں بیان کی گئی ہے اور دُوسرے گروہ کی او کصیب الخ میں۔

۲۶ اِس مثال میں جن لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے ان کی وضاحت حضرت صدر الافاضل مُراد آبادی قدس سرّہٗ نے خُوب کی ہے۔ فرماتے ہیں "جنھوں نے اظہارِ ایمان کیا اور دِل میں کفر رکھ کر اقرار کی روشنی کو ضائع کر دیا۔ اور وُہ بھی جو مومن ہونے کے بعد مُرتد ہو گئے اور وُہ بھی جنھیں فطرتِ سلیمہ عطا ہُوئی اور دلائل کی روشنی نے حق واضح کر دیا مگر اُنھوں نے فائدہ نہ اُٹھایا اور گمراہی اختیار کی۔ اور جب حق سُننے، ماننے، کہنے اور راہِ حق دیکھنے سے محرُوم ہُوئے تو کان، زبان، آنکھ سب بے کار ہیں۔" (خزائنُ العرفان)

۲۷ اِس آیت میں کئی چیزوں کا ذِکر آیا ہے۔ بارش، اندھیرے، بادل کی کڑک اور بجلی کی روشنی اور ایسے سمے میں سفر کرنے والا شخص۔ یہ سب مشبّہ بہا ہیں۔ جب تک ان کے مشبّہات (یعنی یہ کن چیزوں کی تشبیہیں ہیں) کا تعیّن نہ کر لیا جائے اس مثال کا حُسن نِکھر کر سامنے نہیں آتا۔ بارش سے مُراد اسلام، اندھیروں اور بادل کی کڑک سے مُراد وُہ مصائب اور مشکلات ہیں جنھوں نے چاروں طرف سے اِسلام کو گھیر لیا تھا۔ اور بجلی کی روشنی سے مُراد وُہ فتُوحات وغیرہ ہیں جو اِن ناسازگار حالات میں اِسلام کو حاصل ہوتی رہیں۔ جس طرح بارش مُردہ زمینوں کو نئی زندگی بخش دیتی ہے اُسی طرح اِسلام مُردہ دِلوں کو نئی زندگی مرحمت فرماتا ہے۔ جیسے بارش برستے وقت گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور تاریکی پھیل جاتی ہے۔ بادل کی خوفناک کڑک سے دِل دہلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اِسلام کا مینہ برستے وقت کھلی عداوتوں اور پوشیدہ سازشوں کا ایک

فِيْهِ ۙ ۚ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ

اس (کی روشنی) میں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے

بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲

ان کے سننے کی قوت اور ان کی بینائی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۲۸

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

اے لوگو! ۲۹ عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں ۳۰ اور جو تم سے

ہنگامہ برپا ہوگیا۔ فضا یکسر مکدر ہوگئی۔ مصیبتوں کے بادل گرجنے لگے۔ جو سچے دل سے ایمان لا چکے تھے نہ اندھیروں سے انھیں وحشت تھی نہ بادل کی کڑک سے وہ ہراساں تھے مصائب کے ہجوم میں بھی وہ چٹان کی طرح ڈٹے رہے لیکن وہ لوگ جو مذبذب تھے ان کی حالت عجیب ڈانواں ڈول تھی وہ اسلام کے حیات بخش چھینٹوں سے سیراب بھی ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مصائب کی تاریک گھٹائیں دیکھ کر مشکلات کی کڑک سن کر ان کے دل ڈوب ڈوب جایا کرتے تھے اور اسلام کا دامن چھوڑنے میں ہی انھیں اپنی سلامتی نظر آتی تھی۔ پھر اگر اسلام کو کوئی کامیابی نصیب ہوتی تو وہ اسلام کی طرف لپکنے کی تیاری کرتے ایسے میں اگر مصائب کا کوئی تند و تیز جھونکا آجاتا تو وہ بددل ہو کر رہ جاتے۔

۲۸ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہندی، مصری اور یونانی دیوتاؤں کی طرح اس کے اختیارات محدود نہیں ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا تابع فرمان ہے۔ بلندیاں اور پستیاں سب اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

۲۹ ان آیات میں اسلام کے بنیادی مقاصد یعنی توحید، صداقتِ قرآن اور حقانیتِ نبوت وغیرہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اسلام کیونکہ کسی خاص قوم، ملک اور وقت کا دین نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کا تا قیامِ قیامت دین ہے اس لیے عام خطاب سے دعوت دی جا رہی ہے یا ایہا الناس اے تمام انسانو!

۳۰ توحیدِ ربوبیت سے توحیدِ الوہیت پر استدلال قائم کیا جا رہا ہے۔ نعمتِ ایجاد اور بقاء کا ذکر فرما کر ثابت کیا کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے یعنی تم اپنے رب کی عبادت کرو۔ کیونکہ وہی ہے جس نے تمھیں پیدا فرمایا۔ اگر وہ کرم نہ فرماتا تو تم فنا کی دنیا سے وجود کی دنیا میں کیسے آسکتے۔ پھر اس نے مزید کرم یہ فرمایا کہ تمھیں پیدا کر کے تمھارے آرام و آسائش اور حیات و بقا کے سارے سامان خود فراہم کر دیئے۔ اگر وہ تمھیں صرف پیدا کر کے چھوڑ دیتا اور اپنے لطف و عنایت سے تمھارے رزق اور آسائش کا انتظام نہ فرماتا تو تم پیدا ہوتے ہی ہلاک ہو جاتے۔ اب جب کہ تمھارا وجود بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے اور تمھاری زندگی اور بقا بھی اسی کی نظرِ رحمت کی محتاج ہے اور کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں جب ایجاد

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا

پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۔ وُہ جس نے بنایا تمھارے لیے زمین کو بچھونا

وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ

اور آسمان کو عمارت اور اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اِس سے کچھ

الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾

پھل تمھارے کھانے کے لیے پس نہ ٹھیراؤ اللہ کے لیے مدِّمقابل ۳۱ اور تم جانتے ہو

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

اور اگر تمھیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سُورۃ اِس

رُبوبیّت میں وُہ وحدہٗ لاشریک ہے تو اُلوہیّت میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے۔ جب لاخالق الا اللہ اور لا رب الا اللہ کو تسلیم کرنے میں اِنکار کی گنجائش نہیں تو لا محالہ لا الٰہ الا اللہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور جب اس پر اِیمان مُحکم ہو گیا تو لا معبُود الا اللہ پر بھی یقین راسخ ہو جائے گا۔ تو ثابت ہوا کہ عبادت کے لائق صرف وُہی ذات پاک ہے جو ہر لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ توحید کے نازک اور پیچیدہ مسئلہ پر قرآن کا اِستدلال آپ نے مُلاحظہ فرما لیا۔ کتنا فطری، کِتنا سادہ ہے اس کے باوجُود کتنا مُؤثّر اور یقین پرور ہے۔ ایک اَن پڑھ عامی، ایک عالم، ایک محقّق اور اسرارِ کائنات کے سمندر کا ماہر غوّاص سب یکساں طور پر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں فلسفہ وحکمت کے صحائف میں توحید کے دلائل پڑھیئے۔ فنی مُوشگافیوں، پیچیدہ اِصطلاحات، مقدّمات کی ترتیب کا پریشان کن چکّر آپ کو مرعُوب تو کر دے گا لیکن یقین کی دولت سے آپ کا دامن خالی ہی رہے گا۔ یہی قرآن کا اعجاز ہے جس نے چودہ صدیوں سے دانشورانِ عالم کو حیرت و اِستعجاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

۳۱؎ اِس کا مُفرد ندٌّ ہے۔ جس کا معنی ہے المثل المناوی یعنی وُہ شخص جو کسی جیسا بھی ہو اور مخالف بھی ہو۔ مُشرکین کے بُتوں کو انداد کیوں کہا گیا؟ اِس کی وجہ علّامہ بیضاوی تحریر فرماتے ہیں۔ لانهم لما تركوا عبادته الی عبادتها وسموها الهة: کیونکہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دی تھی اور صرف ان بُتوں کی عبادت ہی کرتے تھے اور ان کو اِلٰہ (خُدا) بھی کہتے تھے۔

مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

جیسی ۳۲؎ اور بُلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچّے ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا

پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن

النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور خوشخبری ۳۳؎ دیجئے اُنھیں جو ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور کیے نیک عمل (کہ) یقیناً ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا

جب کھلایا جائے گا انھیں ان باغوں سے کوئی پھل (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وُہی ہے جو ہمیں پہلے

۳۲؎ یہ دلیل ہے قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے اور حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رسالت کی۔ یہ چیلنج صرف عرب کے شعراء اور بلغاء کے لیے نہیں بلکہ عرب وعجم کے سب منکرین کو دیا جارہا ہے۔ اسلام کے دُشمنوں کے لیے یہ کتنا آسان طریقہ تھا کہ تین آیت کی ایک سُورت بناکر قرآن کے اس چیلنج کا جواب دے دیتے۔ اور اس طرح قرآن، نبوّت اور اسلام کی صداقت اور عظمت کو یک دم ختم کرکے بیک کرشمہ سہ کار کا منظر دِکھا دیتے۔ لیکن چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اور شرق وغرب کے بدخواہ اپنی بے چین خواہشوں، لگاتار کوششوں اور جاں گسل کاوشوں کے باوجُود اِس چیلنج کا جواب آج تک نہیں دے سکے۔ اور نہ قیامت تک دے سکیں گے جیسے قرآن نے پیشین گوئی کردی ہے تو اب کسی انصاف پسند ذی ہوش کے لیے یہ ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور جس عبدِ مقرّب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وُہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسُول ہے۔ اِس ایک آیت میں قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے اور حضورسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے رسُول ہونے کی ایسی دلیل پیش فرمادی جس کے سامنے بڑے بڑے سرکش مخالفوں کی گردنیں جُھک گئیں۔

۳۳؎ حق واضح ہوجانے کے بعد حق کا انکار کرنے والوں کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کے ذکر کے بعد ان لوگوں کو جو ایمان اور نیک اعمال سے متّصف ہیں اللہ تعالیٰ کی سرمدی نعمتوں کے مُژدہ سے خورسند کیا جارہا ہے۔

مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ

کھلایا گیا تھا ۳۴ اور دیا گیا انھیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا اور ان کے لیے جنّت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی ۳۵

وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا

اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۳۶ بے شک اللہ حیا نہیں فرماتا ۳۷ اس سے کہ ذکر کرے کوئی

مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ

مثال مچھر کی ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی تو جو ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ

الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ

مثال حق ہے ان کے ربّ کی طرف سے (اُتری ہے) اور جنھوں نے کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کیا قصد کیا اللہ نے

بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ وقف لازم

اس مثال کے ذکر سے گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتیروں کو اور نہیں گمراہ کرتا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں علم، نیّت، صبر اور اخلاص (مظہری) نیز اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جنّت کی ابدی نعمتوں کا حقیقی مستحق وہ ہے جو ایمان اور عمل صالح دونوں سے متّصف ہو۔

۳۴ یعنی جنّت کے میووں کی شکل تو ایسی ہوگی جس سے وہ پہلے سے آشنا ہیں لیکن اُن کا ذائقہ اور خوشبو بالکل نرالی ہوگی۔

۳۵ یعنی بالکل پاک وصاف۔ نہ جسمانی آلائشوں کا وہاں گزر ہوگا اور نہ اخلاقی عیوب سے اُن کی سیرت کا دامن داغدار ہوگا۔

۳۶ اُن انعامات کی بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عارضی نہیں ہوں گے۔ بلکہ اہل جنّت ہمیشہ ہمیشہ اُن سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

۳۷ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لایستحی ای لایخشی وقیل لایترك وقیل لایمتنع مقصد یہ ہوا کہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اگر مکھی، مکڑی، مچھر یا اس سے بھی حقیر ترین چیز سے مثال دینا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کے اعتراض کے ڈر سے ایسی مثال کو ترک نہیں فرماتا۔ سلیم الطبع لوگ تو مثال کے مفید ہونے کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ عجیب خدا کا کلام ہے جس میں مکڑی اور مچھروں کا ذکر ہے۔

بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اس سے مگر نافرمانوں کو ۳۸ وہ جو توڑتے رہتے ہیں عہدِ خداوندی کو اسے پختہ

مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

باندھنے کے بعد اور کاٹتے رہتے ہیں اسے حکم فرمایا اللہ نے جس کے جوڑنے کا اور فساد مچاتے رہتے

فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

ہیں زمین میں وُہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا ۳۹

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾

حالانکہ تم مُردہ تھے اُس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اُسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے ۴۰

۳۸ الضلال اصله الهلاك (قرطبی) ضلال کا اصلی معنی ہلاک ہونا ہے اور فسق عُرفِ شرع میں کہتے ہیں۔ الخروج من طاعة الله عزوجل (القرطبی) اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری سے نکل جانا۔ ان کی نافرمانی کی نوعیّت اگلی آیت میں تفصیلاً بیان فرمادی۔ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرکے توڑ دینا، وُہ رشتے اور تعلّقات انفرادی اور اجتماعی جن کو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے اُن کو قطع کرتے رہنا۔ اپنے جاہ ومنصب کے لیے ظلم وستم اور فتنہ وفساد برپا کرتے رہنا۔ یہ ان کے کرتوت تھے۔ اور جن کے یہ کرتوت ہوں اُن کو ہلاکت وتباہی سے کیونکر بچایا جاسکتا ہے۔ عارفِ رُومیؒ فرماتے ہیں ؎ نقضِ میثاق وشکستِ توبہا موجبِ لعنت شود در انتہا

۳۹ ازراہِ حیرت وتعجّب کفّار سے پُوچھا جارہا ہے کہ اتنی آفاقی اور انفسی، ظاہری اور باطنی دلیلوں کے باوجود وُہ کفر کی جرأت کیسے کر رہے ہیں۔

۴۰ یہاں دو چیزیں قابلِ غور ہیں۔ پہلی یہ کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان مقصود ہے تو پھر موت کا ذکر کیوں کیا۔ اس کا جواب تو یہ ہے کہ کیونکہ یہ موت اِنسان کو فانی زندگی سے نکال کر اَبدی اور دائمی زندگی کی طرف لے جاتی ہے۔ تو یہ موت ہزار نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ دُوسری قابلِ غور چیز یہ ہے کہ یہاں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے اگر قبر کی زندگی مانی جائے تو تین زندگیاں اور تین موتیں لازم آئیں گی اور یہ آیت کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثم یحییکم سے قبر کی زندگی مُراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے ثم الیه ترجعون۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یہاں ثم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو تعقیب اور تاخیر کے لیے آتا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى

وُہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمھارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب ۴۱ پھر توجہ فرمائی اُوپر

السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾ وَإِذْ

کی طرف تو ٹھیک ٹھیک بنا دیا اُنھیں سات آسمان ۴۲ اور وُہ سب کچھ خوب جانتا ہے اور یاد کرو ۴۳

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اس زندہ ہونے کے بعد ہو گا لیکن اس کے بعد فوراً نہیں بلکہ دیر کے بعد۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ قبر کی زندگی کو تسلیم کیا جائے۔ اگر کہا جائے کہ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ سے مُراد حشر کی زندگی ہے تو پھر ثُمَّ کے استعمال کا محل معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب قبروں سے اہلِ قبور اُٹھائے جائیں گے تو فوراً بارگاہِ الٰہی میں پہنچیں گے۔ کسی کو ٹال مٹول یا تاخیر کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ سب بحث اس وقت ہے جب کہ یہاں زندگی اور موت کے عدد کا حصر مقصود ہو حالانکہ علامہ قرطبیؒ اور دیگر محققین نے تصریح کی ہے کہ حصر مقصود نہیں کیونکہ احادیثِ صحیحہ میں چار پانچ دفعہ تک موت و حیات کا تکرار ثابت ہے بہر حال اس آیت سے کسی طرح حیاتِ قبر کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ تمام اہلِ سنّت کا یہی مذہب ہے کہ قبر کی زندگی حق ہے اور متعدّد احادیثِ صحیحہ جو حدِ تواتر کو پہنچی ہُوئی ہیں حیاتِ قبر کو ثابت کرتی ہیں۔

۴۱ آئندہ رکوع میں انسان کی پیدائش اور اس کو خلیفۃ اللہ کا منصب عطا کیے جانے کا ذکر آ رہا ہے۔ اس لیے اس سے پہلے اس کے شرف اور اس کی عظمت کا بیان فرمایا کہ زمین اور اس کے شکم میں پنہاں بے پایاں اور بیش قیمت خزینے لہلہاتے ہُوئے کھیت اور رسیلے اور رنگیلے پھلوں سے لدے ہُوئے سرسبز باغات، اُونچے پہاڑ اور گہرے دریا، رنگ برنگ پرندے اور گوناں گوں چوپائے یہ سب کچھ اسی کی خدمت گزاری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اسے چاہیئے کہ ہر چیز کو اپنے تصرّف میں لائے۔ اس سے فائدہ اُٹھائے اور اپنی خدمت لے۔ لیکن جادۂ حق سے بھٹکے ہُوئے انسان کی پستی کا کیا کہنا کہ اس نے مخدُوم ہوتے ہُوئے اپنے چاکروں کو اپنا مطلوب بنایا بلکہ بعض نے تو اُنھیں خُدائی کے تخت پر بٹھایا اور ان کو اپنا مخدُوم اور مطاع بنا کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی بے انصافی کا تصوّر کیا جا سکتا ہے آیت کے اس حصّہ نے انسان کو اپنے بلند مقام سے آگاہ کیا اور اس خُود فراموش کو جھنجھوڑا تاکہ وُہ اپنے چہرہ سے ذلّت و رُسوائی کی گرد صاف کرے۔

۴۲ استوی کا صلہ جب الیٰ ہو تو اس کا معنی قصد کرنا، متوجّہ ہونا ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زمین کی تخلیق کے بعد ارادۂ خُداوندی آسمان کی آفرینش کی طرف متوجّہ ہوا اور اس نے اپنی قُدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے اسے ایسے درست فرمایا کہ اس میں کوئی کمی اور کجی باقی نہ رہنے دی۔ ان آیات سے علمِ تخلیقِ کائنات (COSMOGENY) کی تفصیلات

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا

جب فرمایا تمہارے رب نے ۴۴ فرشتوں ۴۵ سے میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب ۴۶ کہنے لگے

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ

کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں

اور جزئیات کا بیان مقصود نہیں۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ انسان کائناتِ سماوی و ارضی میں غور کرے اور اس کو نیست سے ہست کرنے والے کی قدرت کا اعتراف کرے اور رب قدیر نے اس کی بقا اور آسائش کے لیے جتنے مکمّل انتظامات کیے ہیں ان سے جائز فائدہ اُٹھائے اور اس کی ان عنایاتِ بے پایاں کا شکریہ ادا کرے۔

۴۳؎ اس رکوع میں ایک اور عظیم الشان احسان کا ذکر ہے۔ یہ ہے حضرتِ انسان کی پیدائش کا تذکرہ۔ خالقِ کائنات نے جس اہتمام سے اس پیکرِ خاکی کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اس اہتمام سے کسی دُوسری مخلوق کا ذکر نہیں فرمایا۔

۴۴؎ اس مقام پر رب مضاف ہے كَ ضمیر کی طرف جس کا مرجع ذاتِ پاک مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہے اس اضافت میں جو لُطف ہے اس کا صحیح ادراک صرف اہلِ محبّت وعرفان کا خاصہ ہے۔ علامہ الوسی فرماتے ہیں کان ...... رمزا الی ان المقبل علیه بالخطاب له الحظ الاعظم فهو صلی الله تعالیٰ علیه واٰله وسلم علی الحقیقة الخلیفة الاعظم ولولاہ ماخلق آدم ولا ولا (روح المعانی) یعنی حضور کریم کی ذاتِ مقدّس ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہے۔ اور اگر یہ ذاتِ گرامی نہ ہوتی تو آدم ہی پیدا نہ ہوتے بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا۔

۴۵؎ اس کا واحد مَلَكٌ ہے۔ اس کا ماخذ اشتقاق اَلُوْكَةٌ ہے جس کا معنی ہے "پیغام رسانی" کیونکہ فرشتے اللہ تعالےٰ کا پیغام اُس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کے لیے مامُور ہیں اس لیے انھیں اس نام سے موسُوم کیا گیا۔ ملائکہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں اتنے مختلف اقوال ہیں کہ اُن کا احاطہ یہاں آسان نہیں۔ علماء اسلام کے نزدیک ان کی حقیقت یہ ہے انها اجسام لطیفة قادرة علی التشکل باشکال مختلفة۔ یہ وُہ لطیف اور نورانی جسم ہیں جو مختلف شکلیں بدل سکتے ہیں۔ لایراهم ماهم علیه الا ارباب النفوس القدسیة۔ اور اُن کو ان کی اصل شکل میں صرف اولیاء کاملین ہی دیکھ سکتے ہیں۔ اور ہونا بھی یُونہی چاہیے کیونکہ مختلف اشیاء کا شعُور و ادراک ایک ہی قوّت سے نہیں ہوتا۔ بلکہ مختلف قوّتیں مختلف چیزوں کا شعور و ادراک کرتی ہیں۔ رنگت کا ادراک آنکھ سے اور حرارت کا چھُونے سے ہوتا ہے۔ نابینا اگر سُرخ و سفید کو نہ سمجھ سکے تو وُہ معذور ضرور ہے لیکن اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وُہ سُرخ و سفید کا اِنکار ہی کر دے۔ اسی طرح ملائکہ جن کا تعلق عالمِ رُوح سے ہے اگر ظاہری حواس اُنھیں نہ پاسکیں تو وُہ معذور ہیں۔ اور وُہ آنکھ جو عالمِ رُوح کے اسرار و لطائف کو دیکھ سکتی ہے۔ وُہ تو اس وقت روشن ہوتی ہے۔ جب ریاضت اور مجاہدات

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ وَعَلَّمَ

تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے فرمایا بے شک میں وُہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے

سے تزکیۂ نفس ہو اور دل کا آئینہ چمکنے لگے۔ جو لوگ ساری عمر لذّات و خواہشات کے درپے رہتے ہیں جنھوں نے تزکیۂ نفس کی اہمیت کا کبھی احساس نہیں کیا۔ وُہ اگر اس نورانی اور لطیف مخلوق کو نہ دیکھ سکیں تو معذور ہیں لیکن انھیں کسی طرح یہ زیبا نہیں کہ وُہ ان نفوسِ قدسیہ کے مشاہدات کا انکار کریں جن کی چشمِ دِل بیدار بھی ہے اور بینا بھی۔ اس لیے جن لوگوں نے فرشتوں کے وجُود کا انکار کیا ہے۔ اور مختلف دُور از کار اور رکیک تاویلیں کی ہیں ان کا انکار بھی علمی نہیں اور ان کی یہ تاویلیں بھی کسی ستائش کی مستحق نہیں۔

۴۶؎ یہاں فرشتوں سے نہ مشورہ لیا جا رہا ہے اور نہ اذن طلب کیا جا رہا ہے بلکہ ربُّ العِزّت اپنے ارادۂ عالیہ سے انھیں آگاہ فرما رہا ہے۔ یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ (۱) خلیفہ کسے کہتے ہیں ؟ (۲) انسان کو منصبِ خلافت کیوں تفویض کیا گیا؟ خلیفہ وُہ ہے جو کسی کے مُلک میں اس کے نائب کی حیثیّت سے اس کے احکام کے مُطابق عمل کرائے۔ اس منصب کے لیے انسان کے انتخاب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوق ہے اُس کی استعداد، علم اور اس کا دائرۂ عمل محدُود ہے۔ اور جس کی محدُودیّت کا یہ عالم ہو وُہ اس ذات پاک کا خلیفہ نہیں بن سکتا جس کا علم، ارادہ، احکام اور تصرّف غیر محدُود ہے لیکن انسان جو ابتداء میں ضعیف بھی ہے اور جہول بھی اس میں وُہ پایاں ناپذیر استعداد رکھ دی گئی ہے۔ اور عقل و فہم کی وُہ قوتیں ودیعت فرما دی گئی ہیں جن کے تصرّفات کی حد نہیں۔ اس لیے جُملہ مخلوقات سے صرف یہی ایک مخلوق ہے جو منصبِ خلافت کی اہلیّت رکھتی ہے۔ علماء ربّانیّین نے اس مشتِ خاک میں پنہاں توانائیوں سے جیسے پردہ اُٹھایا ہے اس کی گردِ راہ کو بھی نفسیاتِ انسانی کے ماہرین نہیں پہنچ سکے۔ عارفِ کامل اسمٰعیل حقّی کے الفاظ مُلاحظہ فرمائیے۔

ان فی الانسان صورة من عالم الشهادة المحسوسة وروحا من عالم الغيب الملكوتي غير المحسوس وسرا مستعد القبول فيض الانوار الالهية فبالتربية يترقى من عالم الشهادة الى عالم الغيب و بسر المتابعة يترقى من عالم الملكوت الى عالم الجبروت والعظموت ويشاهد بنور الله المستفاد من سر المتابعة انوار الجمال والجلال الخ یعنی انسان مختلف عناصر سے مرکّب ہے۔ اس کی صورت کا تعلق عالم محسُوس سے ہے اور اس کی رُوح کا تعلق عالمِ غیب ملکوتی سے ہے صُورت و رُوح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوت ہے جو انوارِ ربانی کے فیض کو قبُول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اچھی تربیت سے وُہ عالمِ محسُوس سے ترقی کر کے عالمِ غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے اور رسالتمآبؐ کی سچّی پیروی سے اس پر عالمِ جبرُوت و عظمُوت کی راہیں کھلتی ہیں۔ وُہ الٰہی نُور جو اس اطاعت و پیروی کی برکت سے اسے حاصل ہوتا ہے اس سے وُہ جمال و جلال کے انوار و تجلّیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ فسبحان الله احسن الخالقين۔ انسان کو جو صرف خاک کا پتلا سمجھتے ہیں کاش اس کی حقیقت پر غور ر

اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ

سکھا دیئے آدم کو تمام اشیاء کے نام ٤٧ پھر پیش کیا انھیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا بتاؤ تو مجھے

بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ

نام ان چیزوں کے اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں

اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ

مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے فرمایا اے آدم! بتادو انھیں ان

بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ

چیزوں کے نام پھر جب آدم نے بتا دیئے فرشتوں کو ان کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ میں

اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ

خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ

چھپاتے تھے اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو ٤٨ تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے

کریں تاکہ ان میں اپنے بلند مقام پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہو۔ یہ وُہ ذرّہ ہے جس کے سامنے آسمان کی رفعتیں سرنگوں ہیں اور یہ وُہ قطرہ ہے جس میں سمندروں کی گہرائیاں ہیں۔

٤٧ حضرت ابن عبّاس، عکرمہ، قتادہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم نے اس آیت کی تفسیر یُوں بیان فرمائی ہے علمه اسماء جمیع الاشیاء کلها جلیلها وحقیرها (القرطبی) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو چھوٹی بڑی تمام اشیاء کے سب نام سکھا دیئے اور خلافت کے منصب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ انھیں ان تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا جاتا۔ جب آدم علیہ السّلام کے علم کی یہ کیفیّت ہے تو سیّدِ بنی آدم خلیفۃ اللہ فی العالم محمّد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے علوم و معارف کا کیا کہنا۔

٤٨ جب فرشتوں نے آدم علیہ السّلام کی وُسعتِ علم اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو پروردگارِ عالم نے اُنھیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلّل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنی ہے وضع الجبهة على الارض پیشانی کا زمین پر

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

اس نے انکار کیا اور تکبّر کیا اور (داخل) ہوگیا وہ کفّار (کے ٹولہ) میں اور ہم نے فرمایا اے آدم! رہو تم

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور تمھاری بیوی اس جنّت میں اور دونوں کھاؤ اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس

رکھنا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنی مُراد ہے۔ کہ فرشتوں کو اَدب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنی مُراد ہے یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السّلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔ اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وُہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ خاص ہے اُسی وحدہٗ لاشریک کے ساتھ جو خالق و مالک ہے ساری کائنات کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کبھی بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں۔ بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصدِ اوّلین تھا ہی یہ کہ وُہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دُوسروں کی عبادت سے منع کریں۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دُوسری صُورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے اُس کی عزّت واحترام کے لیے ہو عبادت کے لیے نہ ہو تو اس کو سجدہ تحیّہ کہتے ہیں۔ یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یہ عزّت و سرفرازی جو آدم علیہ السّلام کو نصیب ہوئی اس کا سبب علمِ تکوینی یعنی اشیاء اور ان کی خاصیّات اور ان کے اثرات کا علم ہے وُہ اُمّت جس کی آسمانی کتاب میں آدم کی برتری اور افضلیّت کا راز یہ بتایا گیا ہو کہ وُہ کائنات کے اسرارِ سربستہ سے آگاہ کیا گیا تھا وُہ اُمّت اگر علم سے محرُوم ہو۔ سائنس اور حکمت سے ناآشنا ہو تو یہ اُس کی اپنی بدبختی ہے۔ اس کے دین نے تو اس کے سمندِ شوق کو مہمیز لگانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی دُنیا میں جتنے مذہبی صحائف موجُود ہیں کسی میں اِتنی وضاحت اور اِتنے اہتمام سے مقامِ آدم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ اب ہم اپنی شورہ بختی کے علاوہ کس کو ملامت کریں کہ ہماری غالب اکثریت تو ابجد خواں بھی نہیں۔ اور جو علم سے آشنا ہیں وُہ علم کو تن پروری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وُہ دن کب طلوع ہو گا جب مومن اپنے مقام کو پہچانے گا۔ پھر کب اِس آسُودہ خوابِ راحت کو رُومی کا سوز اور رازی کا پیچ و تاب نصیب ہو گا۔ ہمارے مطالعہ کی میز پر تو تہ در تہ گرد جمی ہوئی ہے اور ہمارے عشرت کدوں میں نور و نکہت کا سیلاب اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ ہماری رصدگاہیں اب اُن تھک تیز نگاہوں سے محرُوم ہیں جو ستاروں کی معمُولی سی جنبش کا تعاقب کیا کرتی تھیں۔ ہماری تجربہ گاہیں اب ایسے علماء کو ترس گئی ہیں جو دُنیا کی لذّات سے کنارہ کش ہو کر نشترِ تحقیق سے کائنات کی ہر چیز کا دِل چیرا کرتے اور ان میں پوشیدہ اثرات اور قوتوں کا کھوج لگایا کرتے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر قابلِ حیرت بلکہ لائقِ نفرت وُہ آواز ہے جو بعض حلقوں سے توحید کے نام پر اُٹھائی

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے پھر پھسلا دیا انھیں شیطان نے ۴۹ اس درخت کے باعث اور نکلوا دیا

مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِی

ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے اور ہم نے فرمایا اُتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور (اب) تمھارا

جا رہی ہے کہ نبی کو تشریعی علم دیا جاتا ہے تکوینی علم سے اُسے کیا سروکار۔ اور اس طرح اس ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے علم کی بیکراں وسعتوں کو تنگ سے تنگ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا سارا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ہمارے حالِ زار پر اور بخشے ہماری کوتاہ اندیشیوں کو۔ انه هو التواب الرحیم۔

۴۹ے اس مقام پر بے ساختہ یہ خیال پریشان کرنے لگتا ہے کہ کیا انبیاء سے بھی گناہ سرزد ہوتا ہے؟ اس لیے اجمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سلسلہ کے متعلق کچھ عرض کرنا نہایت ضروری ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے بڑی عمدگی سے اس مشکل کو حل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ انهم معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر اجمعها۔ یعنی مالکی حنفی اور شافعی مسلک کے جمہور فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء جس طرح کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ان سے گناہ کا ارتکاب ہو سکے تو ان کے گناہوں کی اطاعت بھی لازم آئے گی۔ جس سے ہدایت کا سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں جابجا انبیاء کی طرف ایسی چیزیں منسوب ہیں جو گناہ ہیں اور پھر ان امور پر انبیاء کی شدید ندامت اور استغفار بھی منقول ہے۔ ایسے میں مطلق عصمت کا قول کیونکر ممکن ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لیے ایک چیز کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ وُہ یہ کہ کوئی فعل گناہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی حکم کی نافرمانی کا عزم اور قصد پایا جائے۔ اور اگر عزم اور قصد مفقود ہے بلکہ بے ارادہ بھول چوک سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بظاہر کسی حکم کے خلاف ہے تو اُسے گناہ نہیں کہتے۔ اور ایسے امور کا صدور عصمتِ انبیاء کے منافی نہیں۔ اب آپ اسی ایک واقعہ پر غور کریں۔ قرآن حکیم کی تعبیر میں اس مسئلہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں فرمایا ہے۔ فازلهما۔ اب آپ "زلة" کی لغوی تحقیق پر غور کیجئے۔ الزلة فی الاصل استرسال الرجل من غیر قصد: بلا ارادہ پاؤں کا پھسل جانا۔ دوسرے مقام پر قرآن نے بالکل اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرما دیا فنسی ولم نجد له عزما۔ یعنی آدم سے یہ حرکت بھول سے ہوئی اس کا عزم و ارادہ ہرگز نہ تھا۔ جب تک عزم و ارادہ مفقود ہو اس فعل کو گناہ نہیں کہا جا سکتا لیکن ؎

بُود آدم دیدۂ نورِ قدیم مُوئے در دیدہ بود کوہِ عظیم (رُومیؒ)

یعنی آدم علیہ السّلام تو نورِ قدیم کی آنکھ تھے۔ اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی گر جائے تو آنکھ کی نزاکت اس کو برداشت نہیں

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ

زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اُٹھانا ہے وقتِ مقرر تک ۵۰ پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے ۵۱

فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ

تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی ۵۲ بے شک وُہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہم نے حکم دیا اُتر جاؤ اس جنت سے سب کے سب ۵۳

کر سکتی بلکہ وُہ ہلکا سا بال یہاں پہاڑ سے بھی بوجھل محسُوس ہونے لگتا ہے۔

۵۰ اس آیت میں یہ لطیف اِشارہ بھی ہے کہ اس دُنیا میں تمھارا قیام ہمیشہ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ تمھاری عارضی قیام گاہ ہے۔ اِن فرصت کے لمحوں میں تمھیں اپنی ابدی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں رہنا چاہیئے۔

۵۱ آدم علیہ السّلام بھُولے سے یہ خطا کر تو بیٹھے لیکن پھر فرطِ ندامت سے روئے اور اِتنا روئے کہ آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ ان کے درد انگیز نالوں سے پتھروں کے دِل پھٹ جاتے تھے۔ دِن رات آہ و فغاں سے کام تھا۔ ہر وقت بارگاہِ الٰہی میں اس کی رحمت کے لیے ملتجی رہتے۔ سالہا سال اِسی طرح بیت گئے لیکن مغفرت کی خوشخبری نہ ملی۔ آخر ایک روز ایسے کلمات زبان سے نِکلے کہ رحمتِ خداوندی کو ترس آگیا اور چشمِ عنایت مائِل بکرم ہوگئی۔ وُہ کون سے کلمات تھے۔ اس کے متعلق میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرّہٗ کی تفسیر فتح العزیز کی عبارت نقل کرتا ہُوں تاکہ ہر خوش نصیب کی طمانیّتِ قلب کا باعث ہو"۔ اور طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم اور اَبُونعیم اور بیہقی نے حضرت امیر المؤمنین عُمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے یہ گناہ سرزد ہوا اور ان پر عتابِ الٰہی نازل ہوا تو بہ قبول ہونے میں حیران تھے کہ اِتنے میں ان کو یاد آیا کہ مجھ کو جس وقت خدائے تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اور رُوحِ خاص میرے اندر پھُونکی تھی اُس وقت میں نے اپنے سر کو عرش کی طرف اُٹھایا تھا اس جگہ لکھا دیکھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر کسی شخص کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اس شخص کے نہیں کہ نام اس کا اپنے نام کے برابر لکھا ہے۔ تدبیر یہ ہے کہ بحق اسی شخص کے سوال مغفرت کا کروں پس دُعا میں کہا۔ اسئلك بحق محمد ان غفرت لی (اے مولا! میں تجھ سے محمد مصطفٰے کے صدقہ سے التجا کرتا ہُوں کہ تو مجھے بخش دے) حق تعالیٰ نے ان کی بخشش کی اور وحی بھیجی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں سے جانا تُو نے۔ اُنھوں نے تمام ماجرا عرض کیا۔ حکم پہنچا کہ "اے آدم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب پیغمبروں سے پچھلا پیغمبر ہے اولاد تیری میں سے اور اگر وُہ نہ ہوتا تجھ کو نہ پیدا کرتا۔" (ص ۱۱۶ ج ۱۔ تفسیر عزیزی ترجمہ اُردو مطبوعہ علیمی پریس دہلی ۱۹۳۲ء)

۵۲ توبہ کا لغوی معنی رجُوع کرنا ہے اور جب کہا جائے تاب العبد (کہ بندے نے توبہ کی) تو اس کا مفہُوم یہ ہوتا ہے کہ رجع الی طاعة ربه۔ سرکشی چھوڑ کر وُہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بن گیا اور اگر تاب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو پھر معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نادم اور شرمسار بندے کی طرف نظرِ رحمت فرمائی اور اس کا قصُور معاف فرما دیا۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے (پیغام) ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انھیں نہ تو کوئی خوف ہو گا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور نہ وُہ غمگین ہوں گے اور جنھوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو) وُہ دوزخی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ

ہوں گے وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اے اولادِ یعقوب ۵۴ یاد کرو میرا وُہ احسان جو

۵۳ نیچے اُترنے کا حکم دو بار ہوا۔ پہلے لغزش کے صادر ہونے کے بعد، پھر قبول توبہ کے بعد۔ پہلے حکم سے ناراضگی کا اظہار مقصود تھا۔ اور دُوسری بار منصب خلافت سنبھالنے کے لیے۔ دونوں حکموں کی غرض و غایت الگ الگ ہے اس لیے یہاں تکرار نہیں۔

۵۴ تیسرے رکوُع میں تمام اولادِ آدم کو دعوتِ اسلام دی گئی اور توحید و رسالت کے دلائل پیش کیے گئے۔ چوتھے رکوُع میں اِنسان کی پیدائش، اسے زیورِ علم سے آراستہ کرنے اور منصبِ خلافت پر فائز کرنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اور اب یہاں سے مسلسل کئی رکوعوں تک بنی اسرائیل کی اِصلاح و ہدایت کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہوُد کو خصوصی خطاب کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ تمام اقوامِ عالم خصوُصاً جزیرۂ عرب کے باشندوں میں یہوُد کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ چار ہزار سال تک سلسلۂ نبوّت ان میں جاری رہا۔ ہزاروں نبی ان میں پیدا ہُوئے۔ جن کے باعث علم و حکمت میں کوئی قوم ان کی برابری کا دعوٰے نہیں کر سکتی تھی۔ ان کے گرد و نواح میں بسنے والے قبائل ان کی علمی برتری سے بہت مرعوُب تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ اگر یہوُد نے (جو اہلِ علم و کتاب ہیں) اسلام قبول کیا تو وُہ بھی قبول کر لیں گے اس لیے قرآنِ حکیم نے یہوُد کو خاص طور پر اسلام کی طرف بُلایا تاکہ اُن کے اِسلام لانے سے دُوسرے لوگوں کے لیے اسلام قبول کرنے کی راہ ہموار ہو جائے۔ اور اگر وُہ اِسلام کو قبول نہ کریں تو اُن کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک ہو جائے اور دُنیا کو پتہ چل جائے کہ یہ صرف دُنیاوی اقتدار اور دولت و ثروت کے باعث اِسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اِس تفصیل کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کو درسِ عبرت دیا جائے کہ بنی اِسرائیل کی داستانِ عرُوج و زوال تمہارے سامنے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کرتے رہو گے تو عزّت و حکومت تمہاری خانہ زاد لونڈی ہو گی۔ اور اگر سرکشی اختیار کی تو تمہاری بدعملیاں کسی بخت نصر کا لباس پہن کر نمودار ہوں گی اور تمہیں صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیں گی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِیَّایَ

کیا میں نے تم پر ۵۵ اور پُورا کرو تم میرے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو میں پُورا کروں گا تمھارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو ۵۶

فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰ وَ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ

اور صرف مجھی سے ڈرا کرو ۵۷ اور ایمان لاؤ اُس (کتاب) پر جو نازل کی ہے میں نے یہ سچا ثابت کرنے والی ہے اس کو جو تمھارے پاس ہے ۵۸

كَافِرٍۭ بِهٖ ۪ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؗ وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱ وَ لَا تَلْبِسُوا

اور نہ بن جاؤ تم سب سے پہلے انکار کرنے والے اس کے اور نہ خرید و تم میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت ۵۹ اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اور مت ملایا کرو

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۲ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ

حق کو باطل کے ساتھ ۶۰ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو اور صحیح ادا کرو نماز

۵۵ حضرت سیّدنا ابراہیم (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق۔م) کے فرزند حضرت اسحاق جو حضرت سارہ عراقیہ کے بطن سے تھے۔ ان کے فرزند حضرت یعقوب علیہم السّلام کا لقب اسرائیل ہے۔ اس کا معنی ہے عبد اللہ۔ اللہ کا بندہ۔

۵۶ اس عہد کی تفصیل اسی پارہ کے دسویں رکوع میں (اور دُوسرے مقامات پر) مذکور ہے۔ تورات کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں "تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند تیرا خُدا ہے اور تو اس کی راہوں پر چلے گا اور اس کے آئین اور فرمان اور احکام کو مانے گا اور اس کی بات سُنے گا۔ (استثناء ۲۶: ۱۷)

۵۷ علماء بنی اسرائیل کے اسلام قبول کرنے کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی تھی کہ وہ اس بات سے خوف زدہ تھے کہ اگر اُنھوں نے اپنے پُرانے دین کو چھوڑ دیا اور اس نئے دین کو اختیار کر لیا تو اُن کے عقیدت مندوں کا یہ ہجوم منتشر ہو جائے گا اور مالی منفعت جو اب اُنھیں اپنے ماننے والوں سے حاصل ہو رہی ہے بند ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اُنھیں متنبّہ فرماتا ہے کہ ایسی باتوں سے ہراساں مت ہو۔ ڈرنا ہے تو اپنے اللہ سے ڈرو جس کے قبضۂ قدرت میں رزق کے خزانے ہیں اور جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

۵۸ قرآن حکیم تو تمھاری کتاب کی تائید اور تصدیق کرتا ہے۔ تمھارے دین کی حقّانیّت کا علَم بردار ہے۔ تمھارے انبیاء کی شان بلند کرتا ہے تو پھر تم اس سے کیوں بدکتے ہو۔

۵۹ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے داموں فروخت نہ کرو اور اگر مُنہ مانگے دام ملیں تو بیچ دو۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کسی قیمت پر حق کو مت بیچو کیونکہ ساری دُنیا کے خزانے بھی اس کے مقابلہ میں حقیر ترین معاوضہ ہیں۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ

اور دیا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ کیا تم حکم کرتے ہو (دُوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور

تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا

بُھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب ٦١ے کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور مدد لو

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿٤٥﴾ الَّذِيْنَ

صبر اور نماز سے ٦٢ے اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) جو

٦٠ے تورات کے صفحات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے کمالات وصفات اور علامات کے ذکر سے مزیّن تھے علماء بنی اسرائیل ان کو چھپانے کی کوشش میں لگے رہتے۔ تاکہ لوگ ان پر مطلع ہو کر حضورؐ پر ایمان نہ لے آئیں۔ اور اگر کسی کی نظر سے ایسی کوئی آیت گزر جاتی تو وُہ اس کی ایسی تاویلیں گھڑ کر اسے بتاتے کہ وُہ بے چارہ طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مُبتلا ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس مذموم حرکت سے منع فرماتے ہیں۔ لبس کے دو معنے ہیں ڈھانپ لینا اور غلط ملط کر دینا اس سے ہر طرح کی تحریف لفظی ہو یا معنوی سے باز آنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ حکم صرف بنی اسرائیل کے علماء کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ملّتِ اسلامیہ سے نسبت رکھنے والے علماء کو بھی شامل ہے۔

٦١ے علماء یہود لوگوں کو تو یہ حکم دیتے کہ تورات اللہ کی کتاب ہے اور اس کے ہر فرمان کی تعمیل کرو لیکن اپنا یہ حال تھا کہ ذرا سے ذاتی فائدے کے لیے تورات کے صریح احکام کو پس پشت ڈال دیتے۔ تورات کی بیان کردہ علامات حضورؐ میں دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان نہ لاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی دو رُخی پالیسی سے منع فرماتے ہیں۔ یہ زجر و توبیخ ہر اس شخص کے لیے ہے جو دُوسروں کو نیکی کا حکم دے اور خود اس کے خلاف عمل پیرا ہو۔ خواہ وُہ یہودی کہلائے یا مُسلمان۔ قرآن حکیم نے جا بجا قول وعمل کے اختلاف سے روکا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسُول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ معراج کی رات میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبرئیلؑ نے بتایا۔ ھؤلاء الخطباء من اھل الدنیا (وفی روایۃ من امتك) یامرون الناس بالبر وینسون انفسھم وھم یتلون الکتاب افلا یعقلون۔ (ترجمہ)۔ یہ دُنیا کے خطیب ہیں۔ (ایک روایت میں ہے آپؐ کی اُمّت کے خطیب ہیں) جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے اور اپنے نفسوں کو بُھلائے رکھتے حالانکہ وُہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے۔ تنسون انفسکم کی تعبیر کتنی اثر آفرین ہے یعنی تم ایسا کر کے اپنی بہتری نہیں کر رہے بلکہ تم تو وُہ زیاں کار اور سُود فراموش ہو جن کی نظروں سے اپنی بہتری اوجھل ہو چکی ہے۔

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝٤٦ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

یقین کرتے ہیں کہ وُہ مُلاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے اور وُہ اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ۶۳ اے اولادِ یعقوب!

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝٤٧

یاد کرو میرا وُہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور (یہ کہ) میں نے فضیلت دی تھی تمھیں سارے جہان والوں پر ۶۴

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا

اور ڈرو اُس دِن سے جب نہ بدلہ دے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی اور نہ قبول کی جائے گی اس کے لیے

۶۲ ؎ کیونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے ان اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھے اور ایک حد تک ان کے عادی ہو گئے تھے۔ یک لخت ان کا ان عادتوں سے دست بردار ہو جانا بہت مشکل تھا۔ اس لیے اب اُنھیں ان پستیوں سے نکل آنے کا راستہ بتایا جا رہا ہے یعنی تم صبر اور نماز سے ان خامیوں کا علاج کر سکتے ہو۔

"صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ اور اس سے مُراد ارادے کی وُہ مضبوطی، عزم کی وُہ پختگی اور خواہشات نفس کا وُہ انضباط ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرُونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلب وضمیر کے پسند کیے ہُوئے راستہ پر لگاتار بڑھتا چلا جاتے۔" (تفہیم القرآن) اگر انسان اپنے اندر یہ قوت پیدا کرلے اور اس کے ساتھ ساتھ وُہ نماز کے ذریعہ اپنا رشتۂ عبدیت اپنے ربِّ حقیقی سے محکم کرلے تو پھر کوئی مشکل اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ حضُور کریم ؐ کی یہ عادت مُبارک تھی کہ جب کوئی مشکل کام آپڑتا تو فوراً نماز پڑھنے لگتے۔ نیز رحمتِ عالم ؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کو حاجت ہو اللہ تعالیٰ سے یا کسی انسان سے تو اُسے چاہیئے کہ بڑی احتیاط سے وضو کرے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے اس کے بعد درُود شریف کثرت سے پڑھے اور اس کے بعد ان الفاظ سے دُعا مانگے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔ (رواه الترمذی)

۶۳ ؎ عُلماء لُغت کے نزدیک ظن اُن الفاظ سے ہے جو مختلف اور متضاد معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ ظن کا معنی شک بھی ہے اور یقین بھی۔ اور اس آیت میں ظن بمعنی یقین مستعمل ہوا ہے۔

۶۴ ؎ دُنیا کی ساری قومیں، خاندان اور ان کے افراد اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے میں اور آدمؑ کی اولاد ہونے میں سب برابر ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برتری اور بزرگی کا دار ومدار وُہ عُمدہ صفات اور خوُبیاں ہیں جن سے کوئی قوم یا فرد متّصف ہوتا ہے۔

شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ

سفارش ۶۵؎ اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی معاوضہ اور نہ وُہ مدد کیے جائیں گے اور یاد کرو جب

نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

نجات بخشی ہم نے تمھیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمھیں سخت عذاب (یعنی) ذبح کرتے تھے ۶۶؎

صرف کسی خاندان کا فرد ہونا یا کسی نسل سے ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہدایت، علم و حکمت اور حکومت یہ تین ایسی چیزیں تھیں جو مجموعی طور پر اُس وقت بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھیں اس لیے ان کی بزرگی اور فضیلت مسلّم تھی لیکن جب ضد اور تعصّب کی وجہ سے اُنھوں نے پیغامِ ہدایت کو ٹھکرادیا اور اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے علم و حکمت کے آسمانی صحیفوں میں تحریف اور بگاڑ شروع کر دیا اور انبیاء کرام کی توہین اور بے ادبی کو اپنا پیشہ بنا لیا اور بعض کو قتل بھی کر دیا تو ان کرتوتوں کے باعث ان پر ذلّت و مسکنت کی لعنت مسلّط کر دی گئی۔ گویا اُنھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی فضیلت کا گلا گھونٹ دیا اور اپنی بزرگی کا جنازہ نکال دیا۔ اب چونکہ ان فضائل و اوصاف کی وارث اُمّتِ مسلمہ تھی اس لیے فضیلت و کرامت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا گیا اور اسے کنتم خیر امۃ کا مژدہ سُنا دیا گیا۔ اِس لیے اُمّتِ مسلمہ پر بنی اسرائیل کی فضیلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۶۵؎ دُنیا میں "مجرم" کی رہائی کے جتنے طریقے ہیں سب کی نفی کر دی کہ قیامت کے دن ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ کام نہیں آئے گا۔ معتزلہ نے اِس آیت سے گنہگار مومن کے لیے شفاعت کا بھی انکار کیا ہے جو غلط ہے۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں۔ اجمع المفسرون علی ان المراد بھذہ الآیۃ النفس الکافرۃ لا کل نفس۔ تمام مفسّرین کا اجماع ہے کہ نفس سے مُراد کافر ہے نہ ہر نفس۔ علامہ بیضاویؒ معتزلہ کا ردّ کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت کفّار کے لیے مخصوص ہے کیونکہ گنہگار مومن کے لیے شفاعت پر کئی آیات اور احادیث (جو حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں) دلالت کرتی ہیں۔ نیز آیت کا نزول یہود کے اس غلط عقیدہ کے بطلان کے لیے ہوا وُہ سمجھتے تھے ان کے اعمال اور عقاید کیسے ہی ہوں ان کی نجات یقینی ہے۔

۶۶؎ بچّوں کے قتل کی وجہ کیا تھی؟ قرآن نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ البتہ عام مفسّرین کا خیال یہ ہے کہ نجومیوں نے فرعون کو بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کا تختہ اُلٹ دے گا۔ احتیاطی تدابیر کے طور پر اُس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے اور لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں تاکہ بڑی ہو کر ان کی لونڈیاں بنیں۔ اس وقت کی توہم پرست مصری ذہنیّت سے یہ کچھ بعید بھی نہ تھا۔ لیکن شیخ محمد عبدہ نے ایک اور وجہ بیان کی ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی نسل اس تیزی اور کثرت سے بڑھنے لگی تھی کہ فرعون کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اگر

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی

عَظِيْمٌ ﴿٤٩﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ

طرف سے ٦٧ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھر ہم نے بچا لیا تم کو اور ڈبو دیا فرعونیوں کو

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے ٦٨ اور یاد کرو جب ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے چالیس رات کا پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

بنا لیا تم نے بچھڑے کو (معبود) ان کے بعد اور تم سخت ظالم تھے پھر بھی درگزر فرمایا ہم نے تم سے

ان کی پیدائش کی رفتار یہی رہی تو بنی اسرائیل کی اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائے گی اور اپنی غالب اکثریت کی بناء پر یہ کوئی انقلاب برپا کر دیں گے۔ اس خدشہ کے پیش نظر اس نے بنی اسرائیل کی نسل کشی کا یہ ظالمانہ حکم دیا۔

٦٧ مصیبت اور نعمت دونوں میں آزمائش ہے۔ پہلی میں صبر و ثبات کی، دوسری میں شکر و سپاس کی۔ ذٰلکم کا مشارٌ الیہ یہ دونوں چیزیں ہیں قتل اولاد کی مصیبت اور اس سے نجات کی نعمت۔

٦٨ سالہا سال تک مظالم برداشت کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر راتوں رات مصر سے روانہ ہوئے۔ صبح ہوئی تو فرعون اپنے لشکر جرار سمیت موسیٰؑ کے تعاقب میں نکلا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ جب سمندر (بحر قلزم) کے کنارہ پر پہنچ رہا تھا تو پیچھے سے فرعون کے لشکر کی گرد و غبار اڑتی نظر آئی تو گھبرا گئے۔ سمجھے کہ اب نجات کے سارے راستے یکسر بند ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا سے سمندر پر ضرب لگائی۔ سمندر کا پانی سمٹ گیا۔ درمیان میں سے راستہ نمودار ہو گیا۔ جس پر چل کر بنی اسرائیل بخیر و عافیت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ فرعون نے بھی اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ جب سب سمندری راستے میں اتر چکے تو پہاڑوں کی طرح تھمی ہوئی موجوں میں جنبش ہوئی۔ اور چشم زدن میں فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو کر رہ گیا۔ یہ سب منظر بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

سمندر نے کیونکر راستہ چھوڑ دیا؟ کیا چیز تھی جس نے سمندر کے پانی سے روانی چھین لی اور اس کی محو رقص و خرام لہروں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں؟ اور جب کلیم کنارے پر پہنچ گئے تو پھر سمندر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا؟ جب ہماری عقل ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتی تو ہم یا تو سرے سے ایسے واقعات کا انکار کر دیتے ہیں اور اگر انکار نہیں کر سکتے

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

اس (ظلمِ عظیم) کے بعد شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ ۶۹ اور جب عطا فرمائی ہم نے مُوسیٰ کو کتاب

وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ

اور حق و باطل میں تمیز کی قوّت تاکہ تم سیدھی راہ پر چلنے لگو اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السّلام نے) اپنی قوم سے

اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ

اے میری قوم! بے شک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر پس چاہیئے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ

سو قتل کرو اپنوں کو (جنھوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمھارے لیے تمھارے خالق کے نزدیک ۷۰ پھر حق تعالیٰ نے تمھاری توبہ

تو ایسی بھونڈی تاویلیں کرتے ہیں جن سے واقعہ کا سارا حسن بھی خاک میں مل جاتا ہے اور دل بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وُہ اپنے علم کی انتہا کو علم و حکمت کی آخری سرحد یقین کر بیٹھتا ہے اور اپنی تجربہ گاہ میں علت و معلول، سبب اور مسبّب کی جو زنجیر وُہ تیار کرتا ہے اس کے علاوہ وُہ سبب و علّت کے کسی دُوسرے سلسلہ کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز آمادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ انسان کا علم بھی محدود ہے اور اس کے تجربے بھی نامکمّل ہیں۔ نیوٹن نے بہت کھلے الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ وُہ کہتا ہے "میری مثال اس بچّے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہو مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصُورت سنگریزہ یا گھونگا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحرِ زخّار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا کوئی علم ہمیں نہیں ہوا" (HEROES OF CIVILIZATION) جب علمِ انسانی کی نارسائیوں کا یہ عالم ہے تو ایسے واقعات جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولوں نے اُن کو بیان فرمایا ہے تو ہمارے لیے سلامتی اور حقیقت شناسی کا راستہ یہ ہے کہ ہم ان کو بلا چُون وچرا تسلیم کر لیں۔

۶۹ جب بنی اسرائیل غلامی کی لعنت سے نجات حاصل کر کے آزادی کی نعمت سے سرفراز کیے گئے تو حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ اُنھیں ایک کتاب عطا کی جائے جس پر عمل پیرا ہو کر وُہ بے راہروی سے بچتے رہیں۔ اس لیے مُوسیٰؑ کو طُور پر چالیس روز تک چلّہ کشی کا حُکم دیا گیا۔ مُوسیٰؑ کا غیر حاضر ہونا تھا کہ سامری کا داؤ چل گیا اور اس کے بہکانے سے بنی اسرائیل اپنے وحدہٗ لاشریک پروردگار کو چھوڑ کر ایک بچھڑے کی پُوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اتنے احسانات کے بعد تم شرکِ جلی کے مُرتکب ہُوتے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تم پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا اور تمھیں نیست و نابود

إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٤﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ

قبول کرلی بے شک وُہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے

حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾

تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر ۲ٔ۷ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾ وَظَلَّلْنَا

پھر ہم نے جلا اُٹھایا تمھیں تمھارے مرجانے کے بعد کہ کہیں تم شکر گزار بنو اور ہم نے سایہ کر دیا

عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ

تم پر بادل کا ۳ٔ۷ اور اُتارا تم پر منّ و سلویٰ ۴ٔ۷ کھاؤ پاکیزہ

کر دیا جاتا لیکن ہم نے پھر بھی اپنا دررحمت کھلا رکھا اور تمھاری توبہ کو شرفِ قبول بخشا۔

۰ٔ۷ کتاب سے مُراد تورات اور فرقان سے مُراد وُہ معجزات ہیں جن کے ذریعہ حق کا بول بالا ہوا اور باطل سرنگوں اور شرمسار ہوا۔

۱ٔ۷ موسیٰ علیہ السلام کے طُور سے واپس آنے پر بچھڑے کے پُجاریوں کو اپنی حماقت کا احساس ہوا تو لگے توبہ کرنے اللہ تعالےٰ نے توبہ کی قبولیت کی شرط یہ فرمائی کہ جنھوں نے شرک نہیں کیا وُہ بچھڑے کے پُجاریوں کو قتل کریں۔ اور ہر شخص اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تہ تیغ کرے۔ کئی لوگوں نے حکمِ قتل کی کئی ایک تاویلیں کی ہیں اور لکھا ہے کہ اس قتل سے مُراد ریاضات اور مجاہدات ہیں جو نفس کُشی کا باعث بنتے ہیں۔ شاید اس احساس نے کہ یہ سزا بہت سنگین ہے انھیں اس آیت کی تاویل کرنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ اگر جرم کی نوعیت پر غور کرتے تو یہ غدشہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ یہ جرم صرف مذہبی قسم کا نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت سیاسی بغاوت کی تھی۔ کیونکہ مصر سے ہجرت کے بعد فلسطین میں ان کی نوخیز حکومت جس بنیاد پر استوار کی جا رہی تھی وُہ عقیدۂ توحید تھا اور توحید کا انکار حقیقت میں اس ریاست کا انکار تھا جو کھلی بغاوت اور صریح غدر تھا۔ جس طرح آج کوئی حکومت خواہ وُہ اپنے نظریات اور طریقۂ کار میں بڑی آزاد منش ہو یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی رعایا کا کوئی فرد اس کی بنیاد کو اُکھیڑ پھینکے اور جو فرد ایسا کرے اُس کو باغی قرار دیا جاتا ہے اور اُسے تختۂ دار پر کھینچ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس جرم کی نوعیت تھی۔ اور وُہ مجرم اسی سزا کے مستحق تھے جو انھیں دی گئی۔

۲ٔ۷ اُن کی ہٹ دھرمی اور اُن سے عفو و درگزر کا ایک واقعہ ذکر فرمایا۔

۳ٔ۷ بنی اسرائیل کا اصلی وطن شام تھا۔ یُوسف علیہ السلام کے عہد میں یہ مصر چلے گئے تھے تو عمالقہ نے شام پر قبضہ کر لیا۔

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

چیزوں سے جو ہم نے تمھیں دے رکھی ہیں اور اُنھوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وُہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے

يَظْلِمُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

رہتے تھے ۷۵ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا داخل ہو جاؤ اس بستی میں ۷۶ پھر کھاؤ اس میں جہاں سے

جب دوبارہ اپنے وطن لوٹے تو اُنھیں حکم مِلا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے اپنا وطن آزاد کرائیں اور اس میں آزادی اور عزّت کی زندگی بسر کریں۔ لیکن اُنھوں نے جہاد کرنے سے صاف اِنکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں چالیس۴۰ سال تک تیہ کے ریگستان کی خاک چھانتے پھرے۔ اِس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نوازشات ان پر سایہ افگن رہیں۔ اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے۔ دُھوپ سے بچانے کے لیے بادلوں کا سائبان تان دیا۔ پانی کے چشمے بہا دیئے اور منّ وسلویٰ ان کی خوراک کے لیے مہیّا کر دیا۔ اس طرح ان کی زیست اور راحت کے جُملہ سامان اس چٹیل میدان اور بے آب وگیاہ ریگستان میں فراہم کر دیئے اور اُنھیں پھر موقع دیا کہ وُہ دِل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں جُھک جائیں۔

۷۴ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اکثر مفسّرین کے نزدیک منّ سے مُراد ترنجبین ہے اور ترنجبین ایک قسم کی قدرتی شکر ہے جو اُونٹ کٹارے (یا اس قسم کی دُوسری بُوٹیوں) کے کانٹوں پر شبنم کی طرح گر کر جم جاتی ہے اور سلویٰ بٹیر کو کہتے ہیں جو وادیٔ سینا کا خاص پرندہ ہے کیونکہ یہ رزقِ لذیذ ان کو محنت ومشقّت کے بغیر میسّر آجاتا تھا اس لیے اسے منّ (احسان) فرمایا گیا اور بٹیر کے شکار میں ان کے مغموم اور افسردہ دِلوں کی شگفتگی اور تازگی کا سامان بھی تھا اس لیے اسے سلویٰ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

۷۵ ایک اہم حقیقت کا بیان ہے یعنی احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرنے والے اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ اپنی دُنیا وآخرت ہی برباد کرتے ہیں۔

۷۶ اِس میں اختلاف ہے کہ وُہ بستی کون سی تھی اور کس زمانے میں بنی اسرائیل نے اسے فتح کیا۔ بائیبل کی تصریح یہ ہے "اس شہر کو بنی اسرائیل نے حضرت مُوسیٰؑ کی زندگی کے اخیر زمانہ میں فتح کیا اور وہاں بڑی بدکاریاں کیں۔ جن کے نتیجہ میں خُدا نے ان پر وبا بھیجی اور ۲۴ ہزار آدمی ہلاک کر دیئے"۔ (گنتی باب ۲۵ آیت ۱-۸) ایک چیز قرآن کا مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیئے وُہ یہ کہ قرآن جن واقعات کا ذِکر کرتا ہے اس سے مقصود صرف عبرت وموعظت ہوتی ہے اس سے اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا بیان مطلوب نہیں ہوتا اِس لیے قرآن ان واقعات کے صرف ان پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں درسِ عبرت ہو عموماً غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کی اِس خصوصیّت کو ملحوظ نہیں رکھتے وُہ قصصِ قرآنی میں تاریخی کتب کی طرح تفصیلات کا تسلسل اور زمان ومکاں کا تعیّن نہیں پاتے تو وُہ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ

چاہو اور جتنا چاہو اور داخل ہونا دروازہ سے سر جھکائے ہوئے ۷۷ اور کہتے جانا بخش دے (ہمیں) ہم بخش

خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۸ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا

دیں گے تمھاری خطائیں اور ہم زیادہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو پس بدل ڈالا ان ظالموں نے اور بات سے

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ

جو کہا گیا تھا انھیں تو ہم نے اتارا ان ستم پیشہ لوگوں پر عذاب آسمان

السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۵۹ ع وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ ٣ ع ٦

سے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ۷۸ اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ

تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ

عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ

چشمے ۷۹ پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ ۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ

اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰؑ!

۷۷ انھیں ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ جب فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہونے لگیں تو دوسرے فاتحین کی طرح سرکش و مغرور ہو کر داخل نہ ہوں بلکہ دل میں عجز و تواضع اور زبان پر (حطۃ) طلبِ مغفرت کی دعائیں ہوں ۔ یہاں سجدہ کا لغوی معنی یعنی تذلل اور انکسار مراد ہے ۔

۷۸ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کسی قوم پر بلاوجہ نہیں آتا بلکہ ان کی اپنی بداعمالیوں کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے ۔

۷۹ جب تیہ کے ریگستان میں بنی اسرائیل پیاس سے تڑپنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں پانی کے لیے

نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دُعا کیجیے ہمارے لیے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لیے

الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

وُہ جن کو زمین اُگاتی ہے (مثلاً) ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

مُوسیٰ نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وُہ چیز جو ادنیٰ ہے اُس کے بدلہ میں جو عمدہ ہے (اچھا) جا رہو

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ

کسی شہر میں تمھیں مل جائے گا جو تم نے مانگا اور مسلط کر دی گئی اُن پر ذلّت اور غربت ٨٠

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ

اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وُہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا

عرض کی۔ حکم ہوا فلاں پتھر پر اپنا عصا مارو۔ حضرت مُوسیٰ نے یُونہی کیا اور اس سے بارہ چشمے پھُوٹ نکلے اور پانی کی قلّت دُور ہو گئی۔ وُہ چٹان اب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجُود ہے۔ پادری ڈین اسٹینلے (DEAN STANLEY) نے اُنیسویں صدی کے وسط میں بائیبل کے مقاماتِ مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے خود فلسطین کی سیاحت کی اور اپنے مشاہدات و تحقیقات کو (SINAI PALESTINE) کے نام سے شائع کیا۔ اس میں اس چٹان کا ذِکر کر کے لکھتے ہیں "یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس سفسفہ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے۔" سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے یہ اشارہ اُنھیں شگافوں کی طرف ہے ص ۳۷-۳۸ (تفسیر ماجدی)

٨٠ یہاں یہ شُبہ دِل میں کھٹکتا ہے کہ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فقر و تنگدستی مسلّط کر دی۔ حالانکہ اُن کا شمار دُنیا کی امیر ترین اقوام میں ہوتا ہے۔ اِس شبہ کو دُور کرنے کے لیے جیوش انسائیکلو پیڈیا کے مندرجہ ذیل فقرات مُلاحظہ فرمائیے:۔ "گو یہُود کا تموّل ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے لیکن اہلِ تحقیق کا اِتفاق ہے کہ یہُود یورپ کے جس جس مُلک میں آباد ہیں۔ وہاں کی آبادی میں اُنھیں کے مُفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے (جلد ۱۰ ص ۱۵۱)

اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا

اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق ۸۱ یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وُہ نافرمان تھے اور

يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ

حد سے بڑھ جایا کرتے تھے یقین کرو ۸۲ اسلام کے پیروکار ہوں یا یہودی ، عیسائی ہوں یا

الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ

صابی ۸۳ جو کوئی بھی ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور نیک عمل کرے تو ان کے لیے

عوام یہود دُوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زائد دولت مند ہیں۔ (جلد ا ص ۱۶ تفسیر ماجدی)

۸۱ یہاں پھر اس امر کی وضاحت کر دی کہ بنی اسرائیل پر ذلّت و افلاس کا جو عذاب مسلّط کیا گیا تھا وُہ بلا وجہ نہ تھا بلکہ ان کی اپنی نافرمانیوں اور کرتوتوں کی سزا تھی۔

اس قسم کے جرائم سے بنی اسرائیل کی تاریخ بھری پڑی ہے مثلاً "تب خُدا کی رُوح...... زکریاہ پر نازل ہُوئی سو وُہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا...... چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اُس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔ تب اُنھوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اُسے سنگسار کر دیا" (۲، تواریخ ۲۴، ۲۰، ۲۱)

اسی طرح مرقس کے باب ۶ کی آیات ۱۷ تا ۲۹ میں حضرت یوحنا (یحیٰی علیہ السلام) کے متعلق مذکور ہے کہ جب آپ نے ہیرودیس بادشاہ کو اس پر ٹوکا کہ اس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کو اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے تو بادشاہ نے پہلے انھیں قید کر دیا۔ بعد میں اپنی داشتہ کی فرمائش پر آپ کا سر کاٹا اور ایک تھال میں رکھ کر اس کی خدمت میں پیش کیا۔

۸۲ اس آیت میں اس امر کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ نجات کا دار و مدار نسب اور قومیّت پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل پر ہے۔ یہود اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان کا عقیدہ کتنا بگڑا ہوا کیوں نہ ہو اور اُن کے اعمال کتنے خراب کیوں نہ ہوں جنّت ان کی ہے اور ان کے علاوہ جتنی قومیں ہیں وُہ کتنی پاکباز کیوں نہ ہوں سب دوزخ کا ایندھن ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی کو نہایت صاف الفاظ سے دُور کر دیا۔ اور لطف یہ ہے کہ مخاطب مُسلمانوں، یہودیوں، نصرانیوں اور صابیوں سب کو بنایا اور مسلمانوں کا ذکر پہلے کر کے اُنھیں تنبیہ فرما دی کہ مبادا تم بھی کہیں اپنی قومیّت پر نازاں ہو کر ایمان و عمل سے غفلت برتنے لگو۔ نجات و فلاح ایمان و عمل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکے گی۔

۸۳ جو شخص ایک دین چھوڑ کر دُوسرا دین اختیار کرے اُسے صابی کہتے ہیں اور اصطلاح میں ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے

أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہیں کوئی اندیشہ ان کے لیے اور نہ وُہ غمگین ہوں گے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم

اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تم پر طُور کو (اور حکم دیا) پکڑو جو ہم نے تم کو دیا

بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن

مضبوطی سے اور یاد رکھنا وُہ (احکام) جو اس میں درج ہیں شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ پھر مُنہ موڑ لیا تم نے پختہ وعدہ

بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ

کرنے کے بعد تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور ہو جاتے نقصان

الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ

اُٹھانے والوں میں اور تم خوب جانتے ہو ۸۴ اُنھیں جنھوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت ۸۵ کے قانون کی

جو شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ توحید اور رسالت کے قائل تھے۔ حضرت عمرؓ اور ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُنھیں اہلِ کتاب سے شمار کرتے تھے اور اُن کے ذبیحہ کو حلال فرماتے تھے

۸۴ یہاں سے ایک ایسے واقعہ کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے جو بنی اسرائیل کی تاریخ کا مشہُور و معرُوف واقعہ ہے لفظ علمتم پر قد اور قد پر لام، تاکید بالائے تاکید پر دلالت کرتا ہے یعنی بلاشک و شبہ یقیناً تم اس واقعہ کو جانتے ہو

۸۵ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سنیچر کا دن عبادت کے لیے مخصُوص فرما دیا تھا۔ اس روز ان کے لیے کھیتی باڑی، کاروبار، شکار وغیرہ تک ممنُوع تھا اور یہ حکم اتنا سخت تھا کہ اس کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے قتل کی سزا مقرر تھی۔ بنی اسرائیل نے رفتہ رفتہ اس حکم کو بے اثر بنانے کے لیے حیلہ و فریب سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ دریا کے کنارے گڑھے کھود رکھے تھے۔ اور چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ اُنھیں دریا سے ملا رکھا تھا سنیچر کو (جب کہ مچھلیاں شکاری کی آمد سے نڈر ہو کر سطحِ آب پر کثرت سے نمودار ہوتیں) ان نالیوں کے دہانے کھول دیتے اور مچھلیاں کثیر تعداد میں پانی کے ساتھ ان گڑھوں میں چلی جاتیں پھر ان کے دہانے بند کر دیتے اور اتوار کے روز آ کر مچھلیاں پکڑ لیتے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہیں کرتی کہ اس کے احکامِ شریعت کو حیلوں اور بہانوں سے معطّل و بے اثر کر دیا جائے۔ اس لیے ان پر وُہ عذاب مسلّط

فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

تو ہم نے حکم دیا اُنھیں کہ بن جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے ۸۶ پس ہم نے بنا دیا اس سزا کو عبرت ان کے لیے

يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ

جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (اسے) نصیحت بنا دیا پرہیزگاروں کے لیے اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے

لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا

اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمھیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے ۸۷ وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق

کیا جس نے اُن کو رسوائی و خواری کے ساتھ نیست و نابود کر دیا۔ اگر موسوی شریعت میں اس قسم کے حیلے برداشت نہیں کیے جاتے تھے تو آپ خود فیصلہ کریں کہ خاتم النبیین کی شریعت جس کے بعد اور کوئی آسمانی قانون انسانی اصلاح کے لیے آنے والا نہیں ہے کیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور غیرت کسی قسم کی تحریف اور حیلہ سازی کو گوارا کر سکتی ہے؟ نہیں بخدا ہرگز نہیں! وہ لوگ جن کو حکومت اور قانون سازی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ ان آیات کو بار بار پڑھیں۔ اس واقعہ کا ذکر پروردگار نے صرف ہماری عبرت پذیری کے لیے کیا ہے۔ داستان سرائی قرآن کا مقصود نہیں۔

۸۶ مجاہد کا قول یہ ہے کہ یہ مسخ معنوی تھا یعنی ان کی صورتیں تو انسانوں کی ہی رہیں لیکن ان کا ذہن اور فکر مسخ ہو گیا اور بندروں کی سی قبیح اور مذموم عادتیں اُن میں پیدا ہو گئیں۔ انسانی شکل ہو اور کرتوت بندروں کی طرح ذلیل! پناہ بخدا! کتنا ہولناک ہے یہ عذاب! لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اُن کی شکلیں بھی بندروں کی سی ہو گئی تھیں۔ اور وہ چند روز کے بعد ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ اور یہ کوئی امر محال نہیں۔ جو بدبخت اس کے تشریعی قانون کو مسلسل توڑتے رہے ہوں اگر اللہ تعالیٰ اپنے تکوینی قانون میں ان کو سزا دینے کے لیے تھوڑی سی تبدیلی کر دے تو اس میں کیا استحالہ ہے؟ نیز جو تخلیقِ آدم کے بارے میں ڈارون کے نظریۂ ارتقاء پر ایمان لا چکے ہیں ان کے لیے تو سرے سے اس میں اچنبے کی کوئی بات ہی نہیں۔ یہ بھی تو سلسلۂ ارتقاء کی ایک کڑی ہے۔ ارتقاء مستقیم نہ سہی ارتقاء معکوس سہی۔ بہرحال ہے تو ارتقاء ہی۔

۸۷ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا دولت مند تھا۔ اس کا ایک لڑکا تھا۔ اس بوڑھے کے بھتیجوں نے اس کے لڑکے کو قتل کر دیا تاکہ اس کی وراثت بھی اُنھیں ملے اور اُس کی لاش کو اُٹھا کر دُور شہر کے دروازہ پر پھینک آئے۔ صبح ہوئی تو خود ہی مدّعی بن بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت کا ایک روشن نشان دکھانے کے لیے اُنھیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس ذبح شدہ گائے کا ایک ٹکڑا مقتول پر مارو۔ دیکھو وہ میری قدرت سے کیسے زندہ ہوتا ہے اور کس طرح حقیقتِ حال سے پردہ اُٹھتا ہے۔ خاص گائے کے ذبح کرنے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل مدتوں

هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ

اُڑاتے ہیں ۸۸؎ آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہُوں خدا سے کہ میں شامل ہوجاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں ۸۹؎ بولے دُعا کیجیے

لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وُہ بتائے ہمیں کہ کیسی ہے وُہ گائے ۹۰؎ مُوسیٰؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وُہ گائے ہے جو نہ

فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

بُوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو تو بجا لاؤ جو تمھیں حکم دیا جا رہا ہے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

کہنے لگے دُعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا مُوسیٰؑ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی

بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

گائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو کہنے لگے پُوچھو ہمارے لیے

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ

اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو بے شک گائے مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر اور ہم اگر

مِصر میں رہے جہاں گائے کی پرستش ہوتی تھی۔ ان کے ڈھلمل یقین مزاج سے کچھ بعید نہ تھا کہ وُہ بھی گائے کو مقدّس سمجھنے لگ گئے ہوں۔ اِس لیے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ خیال بھی اُن کے دِلوں سے مٹا دیا جائے۔

مسئلہ: وراثت کا لالچ قتل کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اِسلام نے یہ حکم دے کر کہ قاتل مقتُول کے ورثہ سے محرُوم ہو جاتا ہے قتل کے ایک بڑے محرّک کو ختم کر دیا۔

۸۸؎ وُہ آئے تھے قاتل کا پتہ لگانے اور حُکم مِلا گائے ذبح کرنے کا۔ کیونکہ دونوں چیزوں میں کوئی مناسبت نہ تھی اِس لیے یہ سوال کر دیا۔

۸۹؎ حکمِ خُداوندی بتاتے وقت مذاق کرنا جاہلوں کا شیوہ ہے اور نبی کا مقام تو بہت بلند ہے۔ اس سے ایسے وقت میں مذاق کا تصوّر کیونکر ہو سکتا ہے۔

۹۰؎ کیونکہ اُن کا مفاد تو اس میں تھا کہ قاتل کا سراغ نہ مِلے اِس لیے طرح طرح کی حُجّت بازیاں کرنے اور بال کی کھال اُتارنے لگے

شَآءَ اللّٰهُ لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوۡلٌ

اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کرلیں گے موسیٰ بولے اللہ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو

تُثِيۡرُ الۡاَرۡضَ وَلَا تَسۡقِى الۡحَـرۡثَ‌ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيۡهَا ‌ؕ قَالُوا

کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب بے داغ (عاجز ہو کر) کہنے لگے

الۡـئٰنَ جِئۡتَ بِالۡحَـقِّ‌ ؕ فَذَبَحُوۡهَا وَمَا كَادُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذۡ

اب آپ لائے صحیح پتہ پھر انھوں نے ذبح کیا اسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے ۹۱ اور یاد کرو

قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا فَادّٰرَءۡتُمۡ فِيۡهَا ‌ؕ وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ

جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم

تَكۡتُمُوۡنَ‌ ﴿۷۲﴾ فَقُلۡنَا اضۡرِبُوۡهُ بِبَعۡضِهَا ‌ؕ كَذٰلِكَ يُحۡىِ اللّٰهُ

چھپا رہے تھے تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے (دیکھا) یوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ

الۡمَوۡتٰى وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ

مُردوں کو اور دکھاتا ہے تمھیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ پھر سخت ہو گئے تمھارے دل

۹۱ مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیکوکار آدمی تھا۔ اس کا ایک معصوم بچہ تھا اور اس کے پاس ایک بچھیا تھی۔ جب مرنے لگا تو اس نے دُعا کی اے بارِ الٰہ! اس ننھے بچے کے لیے میں یہ بچھیا تیرے پاس امانت رکھتا ہوں اور اس بچے کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ پھر اس بچھیا کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نیک بندے کی عرض کو قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں وُہ پلتی رہی۔ اور جب یہ بچہ جوان ہو گیا تو اس جنگل میں گیا جہاں وُہ گائے چرا کرتی تھی۔ اپنے مالک کی آواز سنتے ہی وُہ گائے اس کے پاس آگئی۔ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مخصوص حلیہ والی گائے کی تلاش شروع کی تو ان تمام صفات سے متصف صرف وُہی گائے ملی جو اس نیک بندے کے لڑکے کے پاس تھی۔ بنی اسرائیل نے اُسے مُنہ مانگی قیمت ادا کی اور گائے خرید لی۔ اس قصہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے حوالے ہو اُسے کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی اور جس چیز کا تعلق بندگانِ خدا سے ہوتا ہے، اس کی

مِّنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ

یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وُہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ۹۲؎ (کیونکہ) کئی

الۡحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنۡهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخۡرُجُ

پتھر ایسے بھی ہیں جن سے پھُوٹ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے

مِنۡهُ الۡمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنۡهَا لَمَا یَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا

پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوفِ الٰہی سے اور اللہ

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۷۴ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ

بے خبر نہیں ہے ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو (اے مسلمانو) کیا تم یہ اُمید رکھتے ہو کہ (یہ یہودی) ایمان لائیں گے

وَ قَدۡ كَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ

تمہارے کہنے سے حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سُنتا تھا کلامِ الٰہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ۝۷۵ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

خوب سمجھ لینے کے بعد جان بُوجھ کر ۹۳؎ اور جب مِلتے ہیں ایمان والوں سے

قدر و قیمت کا اندازہ اُن کی ہم مثل چیزوں سے نہیں لگایا جا سکتا۔

۹۲؎ انسان جب سنورتا ہے تو فرشتوں کا قبلہ بن جاتا ہے اور جب بگڑتا ہے تو بے سمجھی اور سنگ دلی میں پتھروں کو بھی مات کر دیتا ہے۔ کیونکہ پتھر تو خُدا کے خوف سے لرزتے بھی ہیں اور اپنے حال کے مُطابق اُس کی حمد و ثنا بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ مُورکھ اپنے رب سے غافل نافرمانی کے میدان میں ہوا و ہوس کے گھوڑے سرپٹ دوڑاتا چلا جاتا ہے۔

۹۳؎ مُسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ان کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اللہ تعالیٰ کے سچے رسُول ہیں۔ ان کی صفات کے ذکر اور کمالات کے بیان سے اُن کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ وُہ جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ایمان لانے کی اُمید رکھنا بے کار ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حق پوشی اور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے اوصاف کو چھپانا اور آپ کے کمالات کا انکار کرنا

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ

تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں ۹۴ اور جب تنہا ملتے ہیں ایک دُوسرے سے تو کہتے ہیں (ارے) کیا بیان کرتے ہو ان سے

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا

جو کھولا ہے اللہ نے تم پر یُوں تو وُہ دلیل قائم کریں گے تم پر ان باتوں سے تمھارے رب کے سامنے کیا تم

تَعْقِلُوْنَ ۝٧٦ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا

اتنا بھی نہیں سمجھتے کیا وُہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وُہ چھپاتے ہیں اور جو وُہ

يُعْلِنُوْنَ ۝٧٧ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ

ظاہر کرتے ہیں اور ان میں کچھ اَن پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی اُمیدوں کے

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝٧٨ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

اور وُہ تو محض وہم و گمان ہی کرتے رہتے ہیں ۹۵ پس ہلاکت ہو ان کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب

النصف

یہُود کا شیوہ تھا۔ اِسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے محبُوب اور کریم رسُولؐ کے کمالات بیان کرنے سے اُن کی زبان میں لُکنت ہو اور فضائل سُننے سے دِل میں گھُٹن ہو۔ رفعت شانِ مصطفٰےؐ حبیب خُدا علیہ وعلیٰ آلہٖ اطیب التحیۃ واحسن الثناء کسی کے گھٹانے سے نہ گھٹے گی۔

۹۴ یہاں سے یہُودی مُنافقوں کے احوال کا بیان ہے۔ یعنی جب مُسلمانوں سے ملتے ہیں تو بطور خوشامد یہ ظاہر کر بیٹھتے ہیں کہ ہم تو سچّے دِل سے اس رسُولؐ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ نبیِ برحق کی جو نشانیاں ہماری کتاب میں مذکور ہیں وُہ سب حضورؐ میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی ایسی باتوں پر دُوسرے یہُودی ان کو ملامت کرتے کہ تم مُسلمانوں کو ایسی باتیں بتا کر اپنا راز افشاء کر رہے ہو۔ تمھارے اِنھیں اقوال سے وُہ تمھارے مذہب کی تردید کریں گے۔ اور تورات کی وُہ آیات جن کا تم ان سے ذکر کرتے ہو انھیں آیات سے وُہ تم پر حجّت قائم کر دیں گے۔ لیحاجوکم بہ عند ربکم کی تفسیر جس کو علّامہ زمخشری اور علّامہ بیضاوی نے پسند کیا ہے وُہ یہ ہے کہ عند ربکم کا معنی ہے ما فی کتاب ربکم یعنی تمھارے رب کی کتاب کی آیتوں سے تم پر دلیل قائم کریں گے اور عند اللہ کا معنی عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ فی کتاب اللہ جیسے کہا جاتا ہے کہ عند اللہ اس کا یہ حکم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اِس مسئلہ کا یہ حکم ہے۔

بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ

خود اپنے ہاتھوں سے ٩٦ پھر کہتے ہیں یہ نوشتہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کرلیں اس کے عوض

ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم

تھوڑے سے دام سو ہلاکت ہو ان کے لیے بوجہ اس کے جو لکھا اُن کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ہو ان کے لیے

مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ

بوجہ اس مال کے جو وہ (یوں) کماتے ہیں اور انھوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں (دوزخ کی) آگ بجز گنتی کے چند دن ٩٧

٩٥ پہلے ان کے عالموں کا ذکر ہوا۔ اب اُن کے اَن پڑھ عوام کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ امانی کا مفرد ہے امنیۃ جس کا اصل منی ہے۔ اس کا معنی ہے فرض کرنا یا وہ انعام جس کا انسان اپنے آپ کو حق دار اور اہل ثابت نہ کرتے ہوئے خواہش رکھتا ہو۔ اس خواہش کو عربی میں امنیۃ کہتے ہیں۔ یعنی بنی اسرائیل کے عوام کا کل سرمایہ نجات کے متعلق ان کے من گھڑت خیالات اور جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ قومیں اپنے زوال و انحطاط کے دور میں انھیں بے بنیاد خیالات سے اپنی نجات کی آس لگائے رہتی ہیں اور عمل صالح سے آنکھیں بند کرلیتی ہیں۔ کاش ہم بھی اپنی حالت پر غور کریں اور احکامِ شرعی سے کھلی بغاوت کے باوجود اپنی نجات کے جو سنہرے سپنے ہم دیکھ رہے ہیں ان سے چونکیں۔ اگر ہم اپنے اسلاف کی طرح احکامِ الٰہی کی اطاعت کرتے تو ان کی مادی اور روحانی برکات سے خود بھی مالا مال ہوتے اور دوسری گم کردہ راہ قوموں کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہوتے۔ ہم وارثانِ اسلام اور مدعیانِ شریعت کی محرومیوں اور حالِ زار کو دیکھ کر دوسری قومیں اسلام کو دور ہی سے سات سلام کر دیتی ہیں۔

٩٦ یہودی علماء کی مزید کارستانیاں ملاحظہ ہوں۔ بتایا جا رہا ہے کہ وہ کتاب جس کے وہ امین بنائے گئے تھے۔ جس کی حفاظت اور اُس پر عمل کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا اُنھوں نے صرف اسی پر بس نہیں کی کہ خود عمل ترک کر دیا ہو بلکہ اُنھوں نے آیاتِ الٰہی کو سرے سے ہی بدل ڈالا اور اپنی طرف سے طرح طرح کے اضافے کر دیئے۔ اور اس طرح ان ظالموں نے آئندہ نسلوں میں سے بھی کسی سلیم الطبع کے لیے یہ گنجائش نہ چھوڑی کہ وہ آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کر کے حقیقت تک رسائی حاصل کر سکے۔ یہود و نصاریٰ اب تک تو تحریف کے قائل نہ تھے لیکن اب ان کے محققین نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اُن کی کتب تحریف و تغیّر سے محفوظ نہیں ہیں۔

٩٧ بنی اسرائیل کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے لاڈلے اور محبوب ہیں۔ دوزخ کی آگ ہمیں جلا نہیں سکتی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔ "آتشِ دوزخ گنہگاران قومِ یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لیے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ

آپ فرمائیے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ سے کوئی وعدہ تب تو خلاف ورزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً

کی یا (یُونہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان کر بُرائی کی

وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

اور گھیر لیا اُس کو اُس کی خطاء نے تو وُہی دوزخی ہیں وُہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وُہی

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ ع ۹ ۹

جنتی ہیں ۹۸ وُہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ وعدہ

کرلیں گے اور خُدا کے پاس واپس آجائیں گے۔ (جلد ۵ ص ۵۸۳) (ماجدی) بعض یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ اُنھیں صرف چالیس روز عذاب ہوگا۔ یہ وُہ مدت ہے جس میں بنواسرائیل نے بچھڑے کی پُوجا کی تھی۔ خُدا کے متعلق ان کا تصوّر بڑا نرالا تھا۔ ایک طرف تو اُس کے جبر و قہر کا یہ عالم کہ جو گناہ ان کے آباؤ اجداد سے سرزد ہوا اُس کی سزا صرف اُن مجرموں تک محدُود نہیں رکھتا بلکہ ان کی نسل سے قیامت تک جو اولاد ہوگی وُہ اس ناکردہ گناہ کی سزا بھگتے گی۔ اور دُوسری طرف اُس کے عفو و درگزر کی یہ کیفیّت کہ کسی سنگین سے سنگین گناہ کے بارے میں اس کے اصلی مجرم سے بھی باز پُرس نہیں۔ افراط و تفریط کا یہ ہوش رُبا چکر ہوش و خرد کے لیے ناقابلِ حل معمّہ ہے۔

۹۸ قرآنِ حکیم یہاں نجات و بخشش کا اصل الاصول بیان فرما رہا ہے۔ نجات کا دار و مدار کسی قوم و نسب سے وابستگی پر نہیں بلکہ ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ اسلام سے پہلے انسانیت کی تقسیم رنگ اور نسل اور وطن کی بنیادوں پر ہوتی تھی۔ ہر سفید رنگ والا خواہ اس کا نامۂ عمل کتنا سیاہ ہو ہر کالی رنگت والے سے برتر ہے خواہ اس کی سیرت مہر و ماہ سے تابندہ تر ہو۔ ہر برہمن وُہ کتنا جاہل اور کندۂ ناتراش ہی کیوں نہ ہو افضل ہے ہر فاضل اور کامل سے جسے کسی برہمن ماں نے جنم نہیں دیا۔ جرمنی کی حدُود میں پیدا ہونے والا خواہ وُہ کتنا خونخوار اور زیاں کار کیوں نہ ہو اپنی نجابت میں لاجواب ہے۔ یہ

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

بنی اسرائیل سے (اس بات کا) کہ نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے ۹۹ اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا

وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

نیز رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں سے بھی (مہربانی کرنا) اور کہنا لوگوں سے اچھی باتیں

وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ

اور صحیح ادا کرنا نماز اور دیتے رہنا زکوٰۃ پھر منہ موڑ لیا تم نے مگر چند آدمی تم سے (ثابت قدم رہے)

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۸۳ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ

اور تم روگردانی کرنے والے ہو اور یاد کرو جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ

اور نہیں نکالو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے (اس وعدہ پر ثابت رہنے کا) اقرار بھی کیا اور

تَشْهَدُوْنَ ۝۸۴ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ

تم خود اس کے گواہ ہو پھر تم وہی ہو نا (جنھوں نے یہ وعدے کیے) کہ اب قتل کر رہے ہو اپنوں کو اور نکال باہر کرتے ہو

شرف اسلام کو حاصل ہے جس نے ان فاسد بنیادوں کو اکھیڑ پھینکا اور انسانیت کی تقسیم مومن اور کافر، صالح اور فاسق، نیک اور بد کی اساس پر کی۔ اور اس طرح بلا وجہ اترانے والوں سے فخر و مباہات کے سب جھوٹے اسباب چھین لیے اور نیکی اور تقویٰ کے میدان میں سبقت لے جانے والوں کے راستہ میں حائل ہونے والی سب چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیا فللّٰہ و رسولہ الحجۃ البالغۃ۔

۹۹ انبیاء بنی اسرائیل نے اپنی قوم سے جن عقائد پر ایمان لانے، معاملات اور عبادات کے جن احکام پر کاربند ہونے اور اخلاق کے جن اصولوں کو اپنانے کا پختہ وعدہ لیا تھا اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی کی یاد دہانی کرائی اور ساتھ ہی ہر بار اُن کی وعدہ شکنی کا بیان فرما دیا شاید وہ ایسی غلطیوں سے آئندہ پرہیز کریں اور احکامِ الٰہی کی تعمیل کرنے لگیں۔

فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ

اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دُشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ

اور اگر آئیں تمھارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکباز بن کر) اُن کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ

تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا تو (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے

مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ

ایسے نابکار کی تم میں سے سوائے اس کے کہ رُسوا ہے دُنیا کی زندگی میں اور قیامت

الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾

کے دِن تو انھیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ

یہ ہیں وُہ لوگ جنھوں نے مول لے لی ہے دُنیا کی زندگی آخرت کے عوض تو نہ ہلکا کیا جائے گا

تنا۔ یثرب کے رہنے والوں میں مُشرک بھی تھے اور یہُودی بھی۔ یثرب کی مُشرک آبادی دو قبیلوں اوس اور خزرج میں بٹی ہوئی تھی جو آپس میں لڑتے رہتے اور یہُودی آبادی بھی دو قبیلوں بنو قریظہ اور بنی نضیر پر مشتمل تھی۔ جب اوس و خزرج برسرِ پیکار ہوتے تو بنی قریظہ اوس کے حلیف بن جاتے اور بنی نضیر خزرج کے اور اِس طرح یہ یہُودی آپس میں ایک دُوسرے کا گلا کاٹتے۔ اور جب جنگ ختم ہو جاتی اور مغلُوب فریق کے اسیرانِ جنگ کو فدیہ ادا کر کے آزاد کرانے کا مرحلہ درپیش ہوتا تو اُس وقت یہ یہُود تورات کی صفحہ گردانی کرتے اور اس کی آیات سے فدیہ دینے اور فدیہ لینے کے جواز پر استدلال کرتے۔ قرآن حکیم اُنھیں کہتا ہے کہ تورات تو تمھیں قتل و غارت کرنے سے اور کسی کو جلاوطن کرنے سے بھی روکتی ہے۔ وُہ حُکم تو تمھیں یاد نہ رہا اور جب روپیہ کے لین دین کا سوال پیدا ہوا تو تمھیں تورات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ بھلا یہ بھی کوئی ایمان ہے کہ کتاب کے بعض حصّے جو اپنی طبیعت کے موافق ہوئے ان پر تو عمل کر لیا اور کتاب کا

عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ

اُن سے عذاب اور نہ ہی اُن کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب

وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ

اور ہم نے پے در پے اُن کے پیچھے پیغمبر بھیجے اور دیں ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں ١٠١

وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى

اور ہم نے تقویت دی اُنھیں جبریل سے ١٠٢ تو کیا جب کبھی لے آیا تمہارے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم جسے تمہارے نفس

اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ ۚ فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ﴿٨٧﴾ وَ

پسند نہ کرتے تو تم اکڑ گئے بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کرنے لگے اور

قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿٨٨﴾

یہودی بولے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں ١٠٣ نہیں بلکہ پھٹکار دیا ہے انھیں اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے وہ بہت ہی کم ایمان رکھتے

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَ

ہیں اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو اُن کے پاس تھی اور

وُہ حصہ جس پر عمل کرنا نفس پر گراں معلوم ہوا یا جس پر عمل کرنے سے مادی نقصان کا اندیشہ ہوا اُسے چھوڑ دیا۔ ہم قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لیے بھی اس میں درس عبرت ہے۔

١٠١ روشن معجزات جیسے مادرزاد اندھے کو بینا کر دینا، کوڑھے کو شفا بخشنا، مُردوں کو زندہ کرنا اور غیب کی خبریں دینا وغیرہ

١٠٢ اس سے مُراد جبریل امین علیہ السّلام ہیں۔ بعض مفسّرین نے اس سے اللہ تعالیٰ کا وُہ اسمِ اعظم مُراد لیا ہے جس کی برکت سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔

١٠٣ یہودی بڑے فخر سے کہتے ہمارے دِلوں پر غلاف چڑھے ہُوئے ہیں اس لیے ہمارے عقائد محفوظ ہیں۔ کسی کا سحرِ بیان، کسی کی قوتِ استدلال، کسی کے معجزات ہمیں اپنے عقائد سے متزلزل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یُوں نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری مسلسل نافرمانیوں کے باعث تمھیں رحمتِ الٰہی سے محروم کر دیا گیا ہے

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

وُہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) ۱۰۴؎ تو جب تشریف فرما ہوا ان

مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ

کے پاس وُہ نبی جسے وُہ جانتے تھے تو اِنکار کر دیا اُس کے ماننے سے سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر۔ بہت بُری چیز ہے

اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

جس کے بدلے سودا چکایا انھوں نے اپنی جانوں کا وُہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس (کتاب) کے ساتھ جو اللہ نے نازل کی حسد ۱۰۵؎ کے مارے کہ

فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ

نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل (وحی) جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے سو وُہ حق دار ہو گئے مسلسل ناراضگی کے

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ

اور کافروں کے لیے ذلیل و رُسوا کرنے والا عذاب ہے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے ایمان لے آؤ اس پر جسے اللہ نے اتارا ہے

اَب تم اِس قابل ہی نہیں رہے کہ نُورِ ایمان سے تمھارے دلوں کے ظُلمت کدے روشن ہوں۔

۱۰۴؎ یہُود کی ہٹ دھرمی اور دانستہ کفر کی ایک اور مثال بیان فرمائی جا رہی ہے حضُور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی تشریف آوری سے پیشتر یہُود کا شعار تھا کہ جب کبھی کفّار و مشرکین سے اُن کی جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے ظاہری امکانات ختم ہو چکتے تو اُس وقت تورات کو سامنے رکھتے اور وُہ مقام کھول کر جہاں حضُور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صفات و کمالات کا ذِکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھتے اور اِن الفاظ سے دُعا کرتے۔ اَللّٰھم انا نسئلك بحق نبيك الذی وعدتنا ان تبعثه فی آخر الزمان ان تنصرنا اليوم علی عدونا فينصرون۔ (رُوح المعانی۔ القرطبی وغیرہ)

اَے اللہ ہم تجھے تیرے اُس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تُو نے ہم سے وعدہ کیا ہے آج ہمیں اپنے دُشمنوں پر فتح دے تو حضور پُر نورؐ کے صدقے اللہ تعالیٰ اُنھیں فتح دیتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ آج تک تم جس کا نام لے کر جیتتے رہے اور جس کی برکت سے فتحیاب ہوتے رہے جب میرا وُہ رسُولؐ اور محبُوبؐ اور تمھارا نجات دہندہ تشریف فرما ہوا تو اُس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تُف ہے ایسے تعصّب پر! حیف ہے ایسی حُبّ جاہ و مال پر!

۱۰۵؎ یعنی اُن کی سرکشی اور انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں تھا۔ صرف یہ حسد اُنھیں جلا رہا تھا کہ یہ نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام

اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ

تو کہتے ہیں ہم تو (صرف) اس پر ایمان لائے ہیں جو نازل کی گئی ہم پر اور کفر کرتے ہیں اس کے علاوہ (دوسری کتابوں) کے ساتھ

الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ

حالانکہ وہ بھی حق ہے تصدیق کرتا ہے اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے آپ فرمائیے پھر تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ کے پیغمبروں کو

قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

اس سے پہلے اگر تم (اپنی کتاب پر ہی) ایمان رکھتے تھے ۱۰۶؎ اور بے شک آئے تمھارے پاس موسیٰؑ روشن دلیلیں لے کر پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا

تم نے بنا لیا بچھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد اور تم (تو عادی) جفا کار ہو ۱۰۷؎ اور یاد کرو جب ہم نے لیا

مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ

تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تمھارے سروں پر کوہ طور (اور تمھیں حکم دیا) کہ پکڑ لو جو ہم نے تمھیں دیا مضبوطی سے اور (خوب غور سے) سنو

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ

انھوں نے (زبان سے) کہا ہم نے سن لیا اور (دل میں کہا) نہیں مانا سیراب ہو چکے تھے ان کے دل بچھڑے (کے عشق) سے یہ ان کے پیہم انکار کی

کی اولاد سے کیوں بھیجا گیا۔ بنی اسرائیل میں سے کیوں نہیں چُنا گیا لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کی اپنی مرضی ہے جس پر چاہے اپنا فضل و کرم فرما دے۔

۱۰۶؎ جب انھیں قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اس وحی پر ہی ایمان لائیں گے جو ہمارے انبیاء پر اُتری۔ اس کے علاوہ کسی دوسری وحی پر ایمان لانے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا تو اپنے انبیاء پر نازل شدہ وحی پر بھی ایمان نہیں ورنہ وہ اپنے انبیاء کو قتل کرنے کی جرأت کر سکتے؟ ان کا ایسا کرنا ان کے عدم ایمان کی واضح دلیل ہے۔

۱۰۷؎ ان کی نافرمانیوں کی طویل فہرست سے چند واقعات کی طرف اجمالاً اشارہ کر کے ان کے اس دعویٰ کے بطلان کو واضح کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے انبیاء پر صدقِ دل سے ایمان لا چکے تھے۔

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ

نحوست تھی فرمائیے بہت بُرا ہے جس کا حکم کرتا ہے تمھیں (یہ) تمھارا (عجیب و غریب) ایمان اگر تم ایمان دار ہو ۱۰۸؎ آپ فرمائیے اگر

كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

تمھارے لیے ہی دارِ آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ

تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو ۱۰۹؎ اور وُہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنّا نہ کریں گے اپنی کارستانیوں

اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ

کے خوف سے اور اللہ خُوب جانتا ہے ظالموں کو اور آپ یقیناً پائیں گے انھیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس

عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ معانقہ ۲

رکھنے والے زندگی کی حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی (زیادہ جینے پر حریص ہیں) چاہتا ہے ہر ایک ان میں سے کہ زندہ رہنے دیا جائے ہزار

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

سال اور نہیں بچا سکتا اس کو عذاب سے (اتنی مدت) جیتے رہنا اور اللہ ہر وقت دیکھ رہا

۱۰۸؎ اگر ایسے قبیح جرائم اور ہر حکمِ الٰہی سے کھُلی بغاوت کے باوجود تمھیں ایمان کا دعویٰ ہے تو عجیب ہے تمھارا یہ ایمان جو تمھیں بُرائی پر اُکساتا ہے اور نیکیوں سے باز رکھتا ہے۔ یہ ہے قرآن کریم کا دِل ہلا دینے والا اندازِ بیان! دعوتِ حق کا حق ادا کر دیا لیکن جن کے دِل مُردہ ہو چکے تھے وُہ اِس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

۱۰۹؎ جس چیز نے اُنھیں انکارِ حق پر محکم کر دیا تھا وُہ اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ اُن کی نجات یقینی ہے اور جنّت کو صرف انھیں کی خاطر دُلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم ان کے اِس حجاب کو بھی تار تار کرتا ہے۔ اگر تم اِس دعویٰ میں سچّے ہو تو ذرا اپنے مرنے کی دُعا تو کرو تاکہ اِس دارالمحن سے نکل کر جنّت کی ابدی نعمتوں سے شاد کام ہو۔ اللہ تعالیٰ پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ وُہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کریں گے اور واقعی وُہ ایسا نہ کر سکے۔ اِن کے لیے کتنا آسان تھا کہ مرنے کی آرزو کر کے قرآن کے اس اعلان کو جھُٹلا دیتے لیکن وُہ دِل کی گہرائیوں میں خُوب جانتے تھے کہ یہ کھیل نہیں۔ اگر اُنھوں نے تمنّا کی تو اُن کی زندگی کا چراغ اسی لمحہ

ع ١١

بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ

ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں   آپ فرمائیے جو   دُشمن ہو جبریلؑ کا (اسے معلوم ہونا چاہیئے) کہ اس نے اُتارا قرآن

قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ

آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ن۱۵۱ (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اُتریں ۱۵۲ اور سراپا ہدایت اور خوشخبری

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ

ہے ایمان والوں کے لیے   جو کوئی دُشمن ہو   اللہ   اور اُس کے فرشتوں اور اُس کے رسُولوں اور جبریلؑ

وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ

و میکائیلؑ کا   تو   اللہ بھی دُشمن ہے (ان) کافروں کا   اور یقیناً ہم نے اُتارے ہیں آپ پر روشن

بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا

نشان   اور کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ان کا بجز نافرمانوں کے   کیا (یوں نہیں) کہ جب کبھی انھوں نے وعدہ کیا

نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ

تو پھر توڑ پھینکا اُسے انھیں میں سے ایک گروہ نے بلکہ ان کی اکثریت تو (سرے سے) ایمان ہی نہیں لاتی   اور جب آیا ان کے پاس

بُجھا دیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے مروی ہے کہ اگر یہود اُس وقت مرنے کی تمنّا کرتے تو ایک بھی زندہ نہ بچتا۔

ن۱۵۱ یہود کے ایک عالم عبد اللہ بن صوریا نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے دریافت کیا کہ کونسا فرشتہ وحی لے کر آپ کے پاس آتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جبریلؑ امین۔ ابن صوریا کہنے لگا کہ وُہ تو ہمارا پُرانا دُشمن ہے ہمیشہ غضب و عذاب ہی لے کر ہم پر اُترتا رہا ہم اس کی لائی ہُوئی وحی پر ایمان لانے سے معذور ہیں۔ اِس آیت میں اس کا ردّ فرمایا جا رہا ہے کہ جبریلؑ اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کرتا۔ وُہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر مقرر ہے۔ اگر جبریلؑ سے تمھیں دُشمنی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تمھارا دُشمن ہے۔

ن۱۵۲ ان الفاظ سے تنبیہ فرما دی کہ یہ عجیب لوگ ہیں جو وحی لے کر اب جبریلؑ اُتر رہا ہے اس سے تو تورات اور جملہ انبیاءِ بنی اسرائیل کی تصدیق ہو رہی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ دوڑ کر اس پر ایمان لاتے لیکن یہ اُلٹی کھوپڑی والے اپنے دوست اور

رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ

رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ

جماعت نے اہل کتاب سے ۱۱۲ اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے جیسے وہ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

کچھ جانتے ہی نہیں اور پیروی کرنے لگے اس کی جو پڑھا کرتے تھے شیطان ۱۱۳ سلیمان ؑ کے عہدِ حکومت میں ۱۱۴

دُشمن کو بھی نہیں پہچانتے۔

۱۱۲ جب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تشریف فرما ہوئے اور حضورؐ کے اوصاف وکمالات جو تورات اور زبور میں موجود تھے اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے ذاتِ پاک مُصطفےٰ علیہ التحیّۃ والثناء میں مشاہدہ کر لیے تو بجائے اس کے کہ ایمان لاتے ان ظالموں نے اپنی مقدّس کتابوں کی ان تصریحات کو ہی پس پُشت ڈال دیا۔ اور ان کو بھی ماننے سے انکار کر دیا جس قوم کی ہٹ دھرمی کا یہ حال ہو اس سے بھلا ہدایت کی کوئی توقع کی جا سکتی ہے!

۱۱۳ اس طویل آیت میں یہود کی تاریخ کا ایک تاریک صفحہ پیش کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں اپنے عروج کے زمانہ میں ہمت، محنت اور جانفشانی سے اپنے لیے بلند مقام پیدا کرتی ہیں۔ اور انحطاط کے دَور میں بھی اپنے اسلاف کے حاصل کردہ بلند مقامات سے چمٹے رہنے کی آرزو تو ان کے دلوں میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے لیکن ان کی پست ہمتیں اور شکستہ حوصلے کسی ایثار و قربانی کے لیے اُنھیں آمادہ نہیں کر سکتے۔ اس وقت وُہ جادُو اور منتر کا سہارا لینے لگتی ہیں تاکہ اپنے بزرگوں کی عظمت کا تاج بھی ان کے زیبِ سر رہے اور اُنھیں کرنا بھی کچھ نہ پڑے۔ یہود کا بھی دورِ انحطاط شروع ہوا تو سچّی عزت اور عظمت کی بلندیوں تک لے جانے والا سیدھا راستہ جس کی نشان دہی تورات نے کی اس پر چلنا تو ان کے لیے دُشوار ہو گیا اور اپنے جھوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے اُنھوں نے جادُو وغیرہ کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ اس آیت میں ان کی اسی بے راہروی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ تتلوا اگر تلاوۃ سے مشتق ہے تو اس کا معنی پڑھنا ہے۔ اگر تلو سے ماخوذ ہے تو اس کا معنی پیروی کرنا ہے۔ اس کا ایک معنی بُہتان باندھنا بھی ہے۔ اس صُورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ یہود پیروی کرنے لگے اس چیز (سحر) کی جس کا شیطان حضرت سُلیمان ؑ پر بہتان باندھا کرتے تھے۔

۱۱۴ علیٰ بمعنی فی ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السّلام کے عہدِ حکومت میں۔ اور علیٰ اور فی ایک دُوسرے کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ

حالانکہ سلیمانؑ نے کوئی کفر نہیں کیا ۱۱۵ بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے ۱۱۶ لوگوں کو

۱۱۵ بہتر ہے کہ آیت کی مزید تشریح سے پہلے سحر کی حقیقت بیان کردی جائے۔ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں:۔
واصل السحر صرف الشئ عن حقیقته الی غیره فکان الساحر لما اری الباطل فی صورة الحق وخیل الشئ علی غیر حقیقته فقد سحر الشئ عن وجهه ای صرفه (تاج)

سحر کا اصلی معنی ہے کسی چیز کی حقیقت کو بدل دینا گویا جب ساحر جھوٹ کو سچ کر کے دکھاتا ہے یا چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آنے لگتی ہے تو گویا اس نے اس شئ کی حقیقت کو بدل دیا۔ یہ تو ہے سحر کی لغوی تحقیق۔ اب اس کے اصطلاحی معنی پر غور فرمائیے۔ ایسے الفاظ اور اعمال کے جاننے اور کرنے کو سحر کہا جاتا ہے جن سے انسان کو شیاطین کا تقرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کے فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ اور ان اعمال و الفاظ کے اثر سے کانوں اور آنکھوں پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے آواز ہوتی کچھ ہے اور سنائی کچھ دیتی ہے۔ اور چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف دکھائی دینے لگتی ہیں بعض کا خیال یہ ہے کہ چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف صرف دکھائی ہی نہیں دیتیں بلکہ ان کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ساحر کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کردیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔
"والمشهور عنه ان الساحر یقتل مطلقا...... ولا یقبل قوله اتوب عنه (روح المعانی)

۱۱۶ یہود و نصاریٰ ایک طرف تو حضرت سلیمانؑ کی رسالت کو تسلیم کرتے اور بحر و بر پر ان کی فرمانروائی کا ذکر بڑے فخر سے کرتے اور دوسری طرف یہ بھی کہتے کہ آخری عمر میں سلیمانؑ نے توحید کو چھوڑ دیا اور اپنی مشرک بیویوں کے باطل خداؤں کی پرستش کرنے لگا۔ چنانچہ بائیبل میں اس کی تصریح موجود ہے۔" اور سلیمانؑ بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے ...... محبت کرنے لگا ...... سلیمانؑ ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا ...... اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا کیونکہ جب سلیمانؑ بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا ...... اور سلیمانؑ نے خداوند کے آگے بدی کی ...... اور خداوند سلیمانؑ سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا (باب ۱۱ آیات ۱ تا ۹ سلاطین) نعوذ باللہ من ذلک سلیمانؑ پر انھوں نے شرک صریح کا یہ الزام لگایا اور دنیا آپ کو یونہی سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ اللہ کا حبیبؐ اور سارے انبیاء و رسل کی عزت و ناموس کا نگہبان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لایا اور اپنے رب کا یہ فرمان دنیا کو سنایا وما کفر سلیمان۔ یعنی سلیمانؑ تو جلیل القدر پیغمبر تھا اسے کفر و شرک سے کیا واسطہ! پلید ذرگوش یہود و نصاریٰ نے از راہ تعصب اس وقت بھی اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا لیکن ۱۳ ½ صدیاں گزرنے کے بعد انھیں آخر کار

السِّحْرَ ق وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط

جادُو   نیز وُہ بھی جو اُتارا گیا   دو   فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہارُوت اور مارُوت تھے ۱۷۱

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط

اور (کچھ) نہ سِکھاتے تھے وُہ دونوں کسی کو   جب تک یہ نہ کہہ لیتے   کہ ہم تو نری آزمائش ہیں (ان پر عمل کرکے) کفر مت کرنا

وُہی تسلیم کرنا پڑا جو خدائے برحق نے اپنے نبی برحق کی زبانِ حقیقت ترجمان سے کہلوایا تھا۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲ صفحہ ۹۵۲ پر محققین کے قلم کو یہ لکھنا پڑا "سُلیمان علیہ السلام خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے"۔ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مسیحی دُنیا کے فضلا نے انسائیکلوپیڈیا ببلیکا میں انجیل کی اِن آیات کے متعلق صراحۃً لکھ دیا کہ یہ غلط ہیں اور بعد میں لوگوں نے ملائی ہیں۔ اور حضرت سُلیمان علیہ السلام تہمتِ شرک سے مبرّا تھے۔ کالم (۴۶۸۹) اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حاملِ قرآن کی اس صفت کا بار بار اعلان فرمایا ہے کہ وُہ پہلے انبیاء و رُسل اور آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے آیا ہے اور ان تہمتوں اور بہتانوں سے ان کی براءت کرنے کے لیے آیا ہے جو صرف غیروں نے ہی نہیں بلکہ ان کے اپنے ماننے والوں نے ان پر چسپاں کر رکھی تھیں۔ سبحان من لا الٰہ الا ھو۔

۱۷۱ اس آیت میں دو احتمال ہیں۔ پہلا یہ کہ ما نافیہ ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس صُورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہُود کا یہ کہنا کہ جادُو بھی آسمان سے فرشتوں پر نازل ہوا اور فرشتوں نے ہی ہمیں یہ سکھایا اس لیے یہ بھی صحائف آسمانی کی طرح آسمانی چیز ہے اور مقدّس ہے۔ یہُود کا یہ کہنا سراسر باطل ہے وما انزل علی الملکین فرشتوں پر ہرگز کوئی جادُو نازل نہیں کیا گیا۔ ہارُوت اور مارُوت بدل البعض ہو گا شیاطین سے یعنی شیاطین جن کے دو سرکردوں کے نام ہارُوت اور مارُوت ہیں وُہ جادُو سکھایا کرتے تھے۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے۔ ھذا اولی ما حملت علیہ الاٰیۃ من التاویل و اصح ما قیل فیھا ولا یلتفت الی سواہ۔ یعنی آیت کی یہی تاویل کرنا چاہیئے۔ یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔ اور اس کے علاوہ کسی قول کی طرف التفات نہ کرنا چاہیئے۔ واقعی اِس تاویل سے کئی شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

لیکن جمہور عُلماء کا قول یہ ہے کہ ما انزل میں ما موصُولہ ہے اور اس کا عطف اتبعوا کے تحت ہے یعنی یہُودی فلسطین میں مروّج جادُو پر بھی عمل پیرا تھے اور جب بخت نصر بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے بعد بنی اسرائیل کو جنگی قیدی بنا کر بابل میں لے گیا تو بجائے اس کے کہ اس کفر و الحاد کی دُنیا میں وُہ توحید کی تبلیغ کرتے اُلٹا وہاں کے لوگوں سے بھی اُنھوں نے جادُو سیکھا اور اس پر بھی عمل پیرا ہُوئے۔ اب یہاں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ہارُوت و مارُوت جو معصُوم فرشتے تھے اُنھیں کیونکر جادُو کی تعلیم دینے کے لیے بابل میں اُتارا گیا۔ تو اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت ساری دُنیا میں خصُوصاً بابل کی مملکت میں جادُو کا بہت رواج تھا۔ جادُو کے زور سے لوگ طرح طرح کے کرشمے دِکھاتے جس سے

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ

(اس کے باوجود) لوگ سیکھتے رہے ان دونوں سے وُہ منتر ۱۱۸ے جس سے جُدائی ڈالتے تھے خاوند اور اس کی بیوی میں اور وُہ

بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ

ضرر نہیں پہنچا سکتے اپنے جادو منتر سے کسی کو بغیر اللہ کے ارادہ کے ۱۱۹ے اور وُہ سیکھتے ہیں وُہ چیز جو ضرر رساں ہے اُن کے لیے

سادہ لوح دنگ رہ جاتے۔ ان کے نزدیک جادو اور معجزہ میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔ بلکہ وُہ جادو کو علم کی ایک مُفید ترین شاخ تصوّر کرنے لگے تھے اور جادُوگروں کو مقدّس ماننے لگے تھے۔ اس لیے اللہ تعالے نے دو فرشتے نازل کیے جو لوگوں کو جادُو کی اصلیّت سے آگاہ کریں تاکہ وُہ آسانی سے جادُو کی فریب کاری اور معجزہ کی حقیقت میں تمیز کر سکیں اور اگر اُنھوں نے جادُو سیکھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو یہ ان کی اپنی غلطی تھی۔ فرشتے تو اُنھیں صاف طور پر بتا دیتے کہ ہمیں تو فقط تمھارے آزمانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اگر تم نے جادُو پر عمل شروع کر دیا تو خوب سُن لو کہ ایمان رُخصت ہو جائے گا اور کافر ہو جاؤ گے۔

بعض مفسّرین کرام نے لکھا ہے کہ یعلمان کا مقصد یہ نہیں کہ وُہ باقاعدہ سحر کے اصُول وقواعد کا درس دیا کرتے اور اس کی جُزئیات اُنھیں ازبر کرایا کرتے بلکہ یہاں یُعَلِّمَان بمعنی یُعْلِمَان ہے جس کا مصدر اعلام ہے (قرطبی) اس کا مفہوم ہے جتانا۔ آگاہ کرنا۔ یعنی وُہ جادُو کے مفاسد اور مضرّات سے اُنھیں آگاہ کرتے تاکہ وُہ اس سے پرہیز کر سکیں۔

۱۱۸ے سحر وجادُو کا جو منتر ان میں بہت مقبولیّت حاصل کر چکا تھا وُہ تھا جس سے میاں بیوی میں ناچاقی پیدا ہو تاکہ یہ اس پر ڈورے ڈال کر اپنے عشق کے جال میں پھانس لیں۔ اس طرح وُہ حرام کاری کا بازار گرم رکھتے۔ قرآن کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ ان کے کردار کے چہرہ پر جس بدنما داغ کی نشاندہی چودہ صدیاں پہلے قرآن نے کی اس کو آج وُہ خود اپنی تحقیق کے آئینہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا کی یہ عبارت پڑھیے۔ سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اس نقش کی تھی جو عشق ومحبّت کے لیے دیا جاتا تھا۔ خاص کر وُہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کے لیے لکھا جاتا تھا۔

(جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۸ ص ۲۵۵) (تفسیر ماجدی)

۱۱۹ے آیت کے اس حصّہ میں بتایا جا رہا ہے کہ سحر اور اس پر مرتّب ہونے والے آثار کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے جیسے سبب و مسبّب کا۔ اور سبب جب ہی اپنا اثر دکھاتا ہے جب اذنِ الٰہی ہو۔ اور اگر اذن نہ ہو تو سبب معطل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سحر ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر بھی غالب ہو۔ اور اگر وُہ نہ چاہے تب بھی جادُو کا اثر ہو کر رہے۔ ہر قسم کا اختیار رکھنے والی تو وُہ ذات ہے جس کے اذن واجازت پر ہر چیز کے وجُود وعدم کا دار ومدار ہے۔ سحر پر بھی اگر آثار مرتب ہوتے ہیں تو خود بخود نہیں بلکہ اذنِ الٰہی ملنے کے بعد۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سحر حرام ہے تو پھر اس پر آثار

وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

اور نہیں نفع پہنچا سکتی انھیں اور وُہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے اس کا سودا کیا اس کے لیے آخرت میں (رحمتِ الٰہی سے)

خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾

کوئی حصّہ نہیں اور بہت بُری ہے وُہ چیز بیچا ہے انھوں نے جس کے عوض اپنی جانوں (کی فلاح کو) کاش! وُہ کچھ جانتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا

اور اگر وُہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو (اس کا) ثواب اللہ کے ہاں بہت اچھا ہوتا کاش! وُہ کچھ

يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ع ۱۲ ۷ ۱۲

جانتے اے ایمان والو! (میرے حبیبؐ سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو "راعنا" ۱۲۰ے بلکہ کہو "انظرنا"

مرتّب ہونے کا اللہ تعالیٰ اِذن ہی کیوں دیتا ہے؟ اس کے لیے ایک چیز ہمیشہ مدِّ نظر رہنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیّت اور اس کے حکم و رضا میں بڑا فرق ہے۔ وُہ کسی بُری چیز کا حکم نہیں دیتا اور نہ اس کے کرنے سے خوش ہوتا ہے ہاں تکوینی مصلحتوں کے باعث ان اشیاء سے اُس کی مشیّت متعلق ہوتی رہتی ہے۔ اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ کسی سوئے ہُوئے بے گناہ کا سر قلم کر دو لیکن اس کے اذن کے بغیر نہ سر کٹتا ہے نہ موت آتی ہے۔ اسی طرح مقرّبینِ بارگاہِ الٰہی کو اذیّت دینا اور اُنھیں قتل کرنا اُسی کی مشیّت سے وقوع پذیر ہوتا ہے لیکن اس نے نہ اس کا حکم دیا ہے نہ وُہ ایسے جرائم سے خوش ہوتا ہے اس اِذن و مشیّت میں وُہ مصلحتیں اور اسرار ہوتے ہیں جن کو بیان کرنے سے زبانِ قلم عاجز ہوتی ہے۔ اِس سرِّ نہاں کے رُخ سے ذرا سا پردہ حضرتِ خضرؑ نے سرکایا تھا تو حضرتِ کلیمؑ تاب نہ لا سکے۔ ما و شما کس شمار میں ہیں۔

باقی رہی وُہ روایت کہ زُہرہ نامی بدکارہ نے اِن دونوں فرشتوں ہارُوت و مارُوت کو اپنے دامِ عشق میں گرفتار کر لیا اور اس کے کہنے پر دونوں نے شراب پی اور بدکاری کی اور اب وُہ بابل کے کسی کنوئیں میں اوندھے لٹکے ہُوئے ہیں یہ روایت عُلماء محقّقین کے نزدیک مردُود اور غیر مقبول ہے (رازی) اور صاحبِ رُوح البیان بصد حسرت لکھتے ہیں کہ کاش! ایسی بیہُودہ روایات سے اہلِ اسلام کی تصنیفات پاک ہوتیں۔

۱۲۰ے رَاعنا ذومعنی لفظ ہے۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمائیے اور صحابہ کرامؓ بارگاہِ رسالتؐ میں جب حاضر ہوتے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کے کسی ارشادِ گرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے راعنا اے حبیبِ اللہ! ہم پُوری طرح سمجھ نہیں سکے ہماری رعایت فرماتے ہُوئے دوبارہ سمجھا دیجئے لیکن یہُود کی عبرانی زبان میں

وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اور (ان کی بات پہلے ہی) غور سے سنا کرو ۱۲۱؎ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہیں

اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ

اہل کتاب سے اور نہ مشرک کہ اُتاری جائے تم پر کچھ بھلائی تمہارے

رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

رب کی طرف سے ۱۲۲؎ اور اللہ خاص فرما لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا فضل

الْعَظِيْمِ ﴿١٠٥﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ

(فرمانے) والا ہے جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا

یہی لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہوتا جس میں گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی عزت و تعظیم کا یہاں تک پاس ہے کہ ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع فرما دیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی ہو۔ چنانچہ علماء کرام نے تصریح کی ہے فيها دليل على تجنب الالفاظ المحتملة التي فيها التعريض للتنقيص والغض (قرطبی) یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر ایسے لفظ کا استعمال بارگاہِ رسالت میں ممنوع ہے جس میں تنقیص اور بے ادبی کا احتمال تک ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے تو ایسے شخص کو حدِّ قذف لگانے کا حکم دیا ہے۔

۱۲۱؎ راعنا کی جگہ انظرنا (یعنی ہماری طرف نگاہِ لطف فرمائیے) کہا کرو۔ کیونکہ یہ لفظ ہر طرح کے احتمالاتِ فاسدہ سے پاک ہے۔ واسمعوا کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرما دی کہ جب میرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کچھ سنا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سنو۔ تاکہ انظرنا کہنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ یہ بھی تو شانِ نبوت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو۔ یہ کمالِ ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش و فرش کے مالک نے غلامانِ مصطفےٰ علیہ السلام کو دی۔ اب جو لوگ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بڑے بھائی کی سی حیثیت دیتے ہیں یا اپنے جیسا بشر ثابت کرنے میں اپنی ساری قابلیتیں صرف کر دیتے ہیں وہ اپنے انجام پر خود ہی غور کر لیں ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

۱۲۲؎ یہود کو یہ رنج تھا کہ نبوت جو ان کی وراثت تھی بنی اسمٰعیل کو کیوں ملی اور مشرکین کو یہ صدمہ تھا کہ نبی کا انتخاب مکہ و طائف کے رئیسوں میں سے کیوں نہیں کیا گیا۔ عبدالمطلب کے یتیم پوتے کا انتخاب اُن کی ظاہر بین نگاہوں میں ہرگز

مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

(کم ازکم) اس جیسی ۱۲۳ کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور تمہارا اللہ کے سوا

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ

کوئی یار و مددگار نہیں کیا تم (یہ) چاہتے ہو کہ پُوچھو اپنے رسُولؐ سے

كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ

(ایسے سوال) جیسے پُوچھے گئے مُوسیٰؑ سے اس سے پہلے ۱۲۴ اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے

موزُوں نہ تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا اپنا فضل وکرم ہے جس کو چاہُوں سرفراز کرُوں تمہارے مشورہ کی یہاں ضرُورت ہے، نہ گنجائش۔

۱۲۳ یہُود سادہ لوح مُسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لیے طرح طرح کے شُبہات پیش کرتے۔ اِن میں سے ایک یہ تھا کہ قرآن آج ایک حکم دیتا ہے کل اسے بدل دیا جاتا ہے اور ایک دُوسرے حُکم پر عمل کرنے کے لیے کہاجاتا ہے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں۔ اِس لیے قرآن خُدا کی کتاب ہی نہیں۔ اِس شُبہ کے ردّ میں یہ آیت نازل ہُوئی۔ نسخ اصُولِ فقہ کی خاص اِصطلاح ہے جس کا معنی ہے "بیان محض لانتهاء الحكم الاول" یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم پہلے نازل فرمایا تھا وُہ ہمیشہ کے لیے نہیں تھا بلکہ ایک خاص وقت کے لیے تھا۔ جب اس کا وقت ختم ہو گیا تو دُوسرا حکم نافذ کرکے پہلے حُکم کی مقررہ میعاد کے ختم ہونے کا اعلان کردیا۔ اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں بلکہ یہ عین حکمت ہے کیونکہ عرب جیسی آوارہ منش قوم کو قانون وآئین کا پابند کرنے کے لیے جن تدریجی اقدامات کی ضرورت تھی وُہ پوشیدہ نہیں اس لیے اگر چند ابتدائی احکام جو محض وقتی مصلحت کے لیے نافذ کیے گئے تھے بعد میں منسُوخ کر دیئے گئے اور ان کی جگہ دُوسرے احکام جو اَب اُن کی تربیت یافتہ ذہنیّت کے مُطابق ہیں نافذ کر دیئے گئے تو یہ بالکل درُست ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا "نات بخير منها" اِسی بات کی طرف واضح اِشارہ ہے۔ آخر میں سب معترضین کا مُنہ بند کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ میں قادرِ مطلق ہُوں جو چاہُوں کرُوں تمھیں اعتراض کا کیا حق ہے؟ (تفصیل کے لیے مُلاحظہ ہو احقر کی تالیف سُنّتِ خیرالانام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں نسخ کی بحث)

۱۲۴ یہُود مُسلمانوں کو طرح طرح کے سوالات کرنے پر اُکساتے اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ

وُہ (قسمت کا مارا) تو بھٹک گیا سیدھے راستہ سے دِل سے چاہتے ہیں بہت سے اہلِ کتاب کہ کسی طرح پھر بنا دیں تمھیں

مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ

اِیمان لانے کے بعد کافر ۱۲۵ (ان کی یہ آرزُو) بوجہ اس حسد کے ہے جو اُن کے دِلوں میں ہے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ

(یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے اُن پر حق پس (اے غلامانِ مصطفےٰ) مُعاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو

بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

یہاں تک کہ بھیج دے اللہ (اُن کے بارے میں) اپنا حکم۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور صحیح ادا کرو نماز اور

اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ

دیا کرو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے لیے نیکیوں سے ضرور پاؤ گے اس کا ثمر اللہ کے

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ

ہاں ۱۲۶ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب دیکھ رہا ہے اور انھوں نے کہا نہیں داخل ہو گا جنت میں (کوئی بھی)

کہ میرے حبیبؐ سے یہودیوں کی طرح قیل وقال نہ کیا کرو۔ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ جن امُور کے کرنے کا حکم دیا جائے ان کو کرو۔ جن سے منع کیا جائے ان سے باز رہو۔ اور جن امُور کے متعلق اللہ اور اس کے رسُولؐ نے سکوت اختیار فرمایا ہے انھیں مت چھیڑو اسی میں تمھاری سلامتی ہے۔

۱۲۵ یہود ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث خود بھی دولتِ ایمان سے محرُوم رہے اب حسد کے مارے چاہتے ہیں کہ کوئی اور بھی دولتِ ایمان سے مالا مال نہ ہو۔ ہر وقت مُسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے سازشیں کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ تم ان کی فتنہ انگیزیوں اور شرارتوں سے درگزر کرتے رہو۔ بات بات پر اُن سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں جب مناسب ہو گا ان کا قلع قمع کرنے کا تمھیں حکم دے دیا جائے گا۔

۱۲۶ چھوٹی یا بڑی جو نیکی کرو گے وُہ بھلا نہیں دی جائے گی بلکہ اس کا پُورا پُورا ثواب تمھیں عطا کیا جائے گا۔

إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

بغیر ان کے جو یہودی ہیں یا عیسائی یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں آپ (انھیں) فرمایئے لاؤ اپنی کوئی دلیل

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ

اگر تم سچے ہو ہاں جس نے بھی جھکا دیا اپنے آپ کو اللہ کے لیے اور وہ

مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

مخلص بھی ہو تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اپنے رب کے پاس ١٢٧ نہ کوئی خوف ہے انھیں اور نہ ہی وہ

يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ

غمگین ہوں گے اور کہتے ہیں یہودی کہ نہیں ہیں عیسائی سیدھی راہ پر اور

قَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ

کہتے ہیں عیسائی نہیں ہیں یہودی سیدھی راہ پر ١٢٨ حالانکہ وہ سب پڑھتے ہیں

الْكِتَابَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ

(آسمانی) کتاب اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو کچھ نہیں جانتے ان کی سی بات ١٢٩ تو (اب)

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾ وَ

اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ جھگڑتے رہتے تھے اور

١٢٧ یہ سب دعوے باطل ہیں۔ نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔ جس نے اپنی ذات، اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھکا دیا وہی بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہوگا۔ رومی و زنگی، عربی و عجمی کی کوئی قید نہیں۔

١٢٨ نجران کے عیسائی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تو ان کی آمد کی خبر سن کر علماء یہود بھی وہاں پہنچ گئے۔ فریقین میں گفتگو شروع ہوگئی۔ اثناء کلام میں یہود نے کہہ دیا کہ نصاریٰ کا مذہب بالکل باطل ہے اور نصاریٰ نے بھی جواباً کہہ دیا کہ یہود کا حق وصداقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی غلطی کا اظہار فرماتے ہیں کہ جب تورات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور ان کی

مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے ۱۳۰ کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام (پاک) کا

وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ

اور کوشاں ہو ان کی ویرانی میں انھیں مناسب نہیں تھا کہ داخل ہوتے مسجدوں میں

اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

مگر ڈرتے ڈرتے ان کے لیے دنیا میں (بھی بڑی) ذلت ہے ۱۳۱ اور ان کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ

عذاب ہے اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی ۱۳۲ سو جدھر بھی تم رُخ کرو وہیں ذات

رسالت کا ذکر موجود ہے تو تورات پر ایمان کا دعوےٰ کرنے والے یہود کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کریں اور انجیل میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی ان گنت شہادتیں موجود ہیں تو اب نصاریٰ کس منہ سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ غرضیکہ راستی کا دامن دونوں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ دونوں اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔

۱۲۹ بتوں کے پجاری آگ اور ستاروں کے پرستار بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں وہ بھی اپنے سوا سب کو گم کردہ راہ یقین کرتے ہیں۔

۱۳۰ یعنی صرف زبانی دعووں کو رہنے دو۔ اپنے عمل کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھو حقیقت نمایاں ہو جائے گی۔ روم کے عیسائیوں نے اپنے بادشاہ طیطس (TITUS) کے ساتھ یہودیوں سے انتقام لینے کے لیے فلسطین پر لشکر کشی کی اور بیت المقدس کو ویران و برباد کر دیا۔ اور اس کی پرشکوہ عمارت کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا۔ بھلا جس کا عمل یہ ہو کیا اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار کہے۔ کفار مکہ نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے مدتوں روکے رکھا۔ کیا ان مشرکین کو زیب دیتا ہے کہ ہدایت پر ہونے کا دعویٰ کریں۔ مقصد یہ ہوا کہ وہ دعویٰ جس کے ثبوت کے لیے عمل صالح کی گواہی نہ ہو وہ توجہ کے قابل نہیں۔ یہ حکم عام ہے۔ جو ایسا کرے وہ سب سے زیادہ ظالم ہے۔ کسی زمانہ یا کسی قوم کے ساتھ اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں۔

۱۳۱ دنیا میں ان کی ذلت و رسوائی تو چند سالوں میں ظاہر ہو گئی۔ کفار مکہ کا اقتدار ختم ہو گیا۔ یہود جلاوطن کر دیئے گئے اور عیسائی مملکتوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور آخرت کا عذاب بھی عنقریب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

۱۳۲ منتشر افراد تب قوم بنتے ہیں جب ان میں یک جہتی ہو۔ اور یک جہتی تب پیدا ہوتی ہے جب ان کا کوئی مخصوص مرکز ہو۔

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ

خداوندی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا خوب جاننے والا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ نے (اپنا) ایک بیٹا پاک ہے وہ (اس تہمت سے) ۱۳۳

بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ

بلکہ اُسی کی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب اُسی کے فرمانبردار ہیں موجد ہے ۱۳۴

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

آسمانوں اور زمین کا اور جب ارادہ فرماتا ہے کسی کام کا تو صرف اتنا حکم دیتا ہے اُسے کہ ہو جا تو وہ

فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ

ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کہ کیوں نہیں کلام کرتا ہمارے ساتھ (خود) اللہ یا کیوں نہیں آتی

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر اُمّت کے لیے ایک خاص قبلہ مقرر فرما دیا۔ رفتہ رفتہ قوموں میں یہ خیال جڑ پکڑتا گیا کہ یہ سمت کسی اپنی ذاتی خصوصیت اور خوبی کے باعث قبلہ بنائی گئی۔ اس آیت میں اُن کی اس غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے کہ جہتیں اور سمتیں سب اللہ کی ہیں مشرق ہو یا مغرب جنوب ہو یا شمال سب اس کی پیدا کی ہوئی اور اُسی کے زیرِ نگیں ہیں۔ اگر کوئی جہت قبلہ بنائی جاتی ہے تو کسی ذاتی خصوصیت کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حُکم سے قبلہ بنائی جاتی ہے۔ پورب پچھم سے تمھیں کیا سروکار تم اس کے حُکم کے بندے ہو۔ نیز اگر مشرک قومیں سُورج کی پرستش کرتی تھیں اور مشرق اُس کے طلوُع کی سمت ہے اس لیے خصوصی طور پر اس کے تقدّس کی قائل تھیں اور بعض فرقے مغرب کو مقدّس مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جہت پرستی کے اس صنم کو بھی پاش پاش کر دیا اور فرمایا یہ جہت از خود کچھ بھی نہیں۔ ان کی حقیقت بس اتنی کچھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا فرمایا اور اسی کا حکم ان میں جاری ساری ہے۔

۱۳۳ یہود حضرت عزیرؑ کو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں یقین کرتے (نعوذ باللہ) اس آیت میں ان عقائدِ فاسدہ کی تردید ہے۔ زمین کی وُسعتوں اور آسمان کی پہنائیوں میں جو چیز ہے نوُری ہو یا ناری، خاکی ہو یا افلاکی، بے جان ہو یا جاندار، حقیر ہو یا عزیز، سب پر اس کی مملوک ہونے کی مُہر لگی ہے۔ اور ہر چیز بلا استثناء اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہے۔

۱۳۴ نیست سے ہست کرنے، عدمِ محض سے موجود کرنے کو عربی میں ابداع کہتے ہیں یعنی نہ پہلے اس کا کوئی مادہ ہو نہ نمونہ اور نہ بنانے کے آلات موجود ہوں۔ اس ایک لفظ سے ردّ ہو گیا ان لوگوں کا (مثلاً آریہ سماجی وغیرہ) جو کہتے ہیں کہ روُح بھی ہمیشہ سے موجود ہے اور مادہ بھی۔ اللہ تعالیٰ نے زیادہ سے زیادہ صرف یہ کیا کہ ایک ماہر کاریگر کی طرح مادے کے مختلف اجزاء کو

اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ

ہمارے پاس کوئی نشانی۔ اسی طرح کہی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے (گزرے) تھے ان کی سی (بے سروپا) بات ۱۳۵؎ ملتے جلتے ہیں

قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

ان سب کے دل۔ بے شک ہم نے صاف صاف بیان کردی ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو یقین رکھتے ہیں ۱۳۶؎ بے شک ہم نے بھیجا ہے ۱۳۷؎

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ

آپ کو (اے حبیب ﷺ) حق کے ساتھ (رحمت کی) خوشخبری دینے والا (عذاب سے) ڈرانے والا اور آپ سے بازپرس نہیں ہوگی ان دوزخیوں کے متعلق اور ہرگز خوش

تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ

نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی ۱۳۸؎ یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی آپ (انھیں)

اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ

کہہ دیجیے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور اگر (بفرضِ محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس علم کے بعد بھی

ایک خاص تناسب سے باہم ملا دیا اور رنگا رنگ چیزیں نمودار ہوگئیں۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف صانع ہی نہیں بلکہ بدیع ہے۔ اُس نے آسمان اور زمین کو محض اپنے ارادہ سے بغیر کسی سابق مادہ کے پیدا فرمایا۔

۱۳۵؎ یہاں سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دلجوئی مقصود ہے کہ اگر یہ کافر روشن معجزات اور واضح دلائل کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لاتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں جس سے آپ دلگیر ہوں بلکہ یہ تو ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے چلے آتے ہیں۔

۱۳۶؎ اس آیت کے پہلے حصّہ میں ان نادانوں کے دو مطالبوں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ خُدا خود اُن سے کلام کرے یا انھیں کوئی ایسی نشانی دکھائے جس کے بعد شک کی گنجائش نہ رہے۔ پہلی بات تو توجّہ کے لائق ہی نہ تھی اس لیے اس کا تو جواب تک نہ دیا۔ دُوسری بات کے متعلق فرمایا کہ تم تو صرف ایک نشانی کا مطالبہ کر رہے ہو اور ہم نے تمھیں بے شمار فیصلہ کُن نشانات دکھائے ہیں اور پھر بھی تم باطل پر اڑے ہُوئے ہو۔ ان کھُلی نشانیوں کے بعد تمھیں اور کس نشان کا انتظار ہے جسے دیکھنے کے بعد تم ایمان لاؤ گے۔

۱۳۷؎ ساتھ ہی فرمایا کہ اسلام کی حقّانیّت کی سب سے بڑی دلیل خود آپ کی ذات ہے جو آپ کی ہمہ صفت موصُوف اور باکمال ہستی کو دیکھ کر ہدایت قبول نہیں کرتے اُنھیں کوئی اور معجزہ یا دلیل کیونکر راہِ ہدایت دکھا سکتی ہے۔

الَّذِیۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۲۰﴾

جو آپ کے پاس آچکا ہے (تو پھر) نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور نہ کوئی مددگار ۱۳۹

الَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤۡمِنُوۡنَ

جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان لاتے ہیں اس کے

بِهٖ ؕ وَمَنۡ یَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ

ساتھ اور جو کوئی انکار کرتا ہے اس کا تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں اے بنی اسرائیل!

اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡكُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَی

یاد کرو میری وہ نعمت جو میں نے تم پر فرمائی اور (خصوصاً یہ) کہ میں نے تم کو فضیلت دی (اس زمانہ کے)

الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡـًٔا وَّلَا یُقۡبَلُ

سب لوگوں پر ۱۴۰ اور ڈرو اس ۱۴۱ دن سے کہ نہ پکڑا جائے گا کوئی آدمی کسی کے عوض اور نہ قبول کیا جائے گا

مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابۡتَلٰۤی

اس سے مالی تاوان اور نہ نفع دے گی اسے کوئی سفارش اور نہ ہی ان کی امداد کی جائے گی اور یاد کرو جب ۱۴۲ آزمایا

۱۳۸ یہ جو معجزات اور آیات دکھانے کی طرح طرح کی فرمائشیں کر رہے ہیں اس سے اُن کا مقصد قبول ایمان نہیں۔ یہ تو صرف حجت بازیاں ہیں۔ وہ تو صرف اس کو پسند کرتے ہیں کہ آپ اپنا دین چھوڑ کر ان کے باطل کو قبول کرلیں جو ناممکن ہے۔

۱۳۹ یہ خطاب اُمتِ محمدیہ کو ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس حق و ہدایت لائے تو تم ہرگز کفار کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا۔ اگر ایسا کیا تو تمھیں کوئی عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ (خزائن العرفان)

۱۴۰ بنی اسرائیل کی فضیلت کی وجہ پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۶ حاشیہ ۶۴

۱۴۱ اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۷ حاشیہ ۶۵

۱۴۲ یہ آزمائش اس لیے نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی حقیقت کا علم نہ تھا۔ وہ تو علیم وخبیر ہے۔ بلکہ اپنے مقبول بندے کے جذبۂ صدق و اخلاص سے لوگوں کو آگاہ کرنا مطلوب تھا۔ شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ بے خبر لوگ کہیں یہ نہ

اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

ابراہیم کو۱۴۳ اس کے رب نے چند باتوں سے تو انہیں پورے طور پر بجا لایا۱۴۴ اللہ نے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں

قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ

کا پیشوا۱۴۵ عرض کی میری اولاد سے بھی؟ ۱۴۶ فرمایا نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک اور یاد کرو

کہنے لگیں کہ ان پر جو فضل وکرم ہو رہا ہے یونہی ہو رہا ہے اس کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ بلکہ انہیں علم ہو جائے کہ وہ اس لطفِ عمیم کے ہر طرح مستحق ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ ہر بوالہوس ان مقاماتِ رفیعہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھے بلکہ اسے معلوم ہو کہ آزمائش و ابتلاء کا آتشیں سمندر موجزن ہے اور ان بلندیوں کی طرف جانے والا راستہ اس میں سے ہو کر گزرتا ہے۔

۱۴۳ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ وعلی نبینا افضل الصلوٰۃ والسلام کے اسمِ گرامی سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا اس لیے قرآن حکیم نے پہلی دفعہ ہی کسی تمہید و تعارف کے بغیر ان کا ذکر فرمایا۔ تورات میں آپ کا نام ابرام اور ابراہم دونوں طرح آیا ہے۔ جدید ترین اثری تحقیقات کے مطابق آپ کا سال پیدائش ۲۱۶۰ ق۔م ہے۔ تورات میں عمر شریف ۱۷۵ سال درج ہے۔ آپ کا آبائی وطن بابل ہے جسے آج کل عراق کہتے ہیں۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام تورات میں "اُور" (UR) ہے۔ مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا۔ اب از سرِ نو نمودار ہو گیا ہے۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء میں ہی پڑ گئی تھی۔ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترکہ تحقیقاتی مہم عراق کو روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا۔ موجودہ محرّف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتا کر بعض محققین نے انیسویں صدی کے آخر میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک نوعی نام تھا۔ یا ہر قبیلہ کے شیخ کا لقب تھا لیکن اب پھر تحقیق کا رُخ بدلا اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہی پھر (یورپ) کو آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہونا پڑا۔

(ماخوذ از تفسیر ماجدی)

۱۴۴ وہ امتحانات جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا گیا تھا کیا تھے؟ ذبحِ اسمٰعیل، آتشِ نمرود اور عرب کے بے آب و گیاہ ریگستان میں اپنی زوجہ اور اپنے ننھے بچے کو حکمِ الٰہی کے مطابق چھوڑ آنا اور ان کے علاوہ تمام احکامِ شریعت پر کاربند ہونا ہے جس میں ناخنوں کے تراشنے، دانتوں کو مسواک سے صاف کرنے سے لے کر حج و زکوٰۃ کے جملہ مناسک داخل ہیں۔

۱۴۵ امام کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے یعنی تمام انبیاء اور ان کی امتیں آپ کی پیروی اور اتباع کریں گی۔ یہاں تک کہ سیدِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کو بھی حکم ملا۔ اتبع ملّة ابراهيم حنيفا۔

جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ

جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز ۱۴۷ لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور (انہیں حکم دیا کہ) بنالو ابراہیمؑ کے کھڑے

اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا

ہونے کی جگہ کو جائے نماز ۱۴۸ اور ہم نے تاکید کر دی ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر ۱۴۹

بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ

طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اور یاد کرو جب عرض

۱۴۶ اپنی اولاد کے لیے حضرت ابراہیم کا دعا کرنا ایک طبعی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کے لیے نہیں۔ ہاں جو نیک اور اطاعت گزار ہوں گے ان میں سے بعض کو شرف نبوت سے سرفراز کیا جائے گا لیکن ظالم اور بدکار اس نعمت کے حقدار نہیں۔ اس آیت سے علماء نے انبیاء کرام کی عصمت پر استدلال کیا ہے نیز صدر مملکت میں جن صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان کے متعلق علماء اسلام نے تصریح کی ہے "ان الامام یکون اهل العدل والاحسان والفضل مع القوة علی القیام بذلك وهو الذی امر النبی صلی الله علیه وسلم الاینازعوا الامر اهله واما اهل الفسوق والجور فلیسوا له باهل (قرطبی) یعنی امام وہ ہوتا ہے جس کا دامن کبیرہ گناہوں سے داغدار نہ ہو۔ احسان و فضل کی صفات سے متصف ہو اس کے ساتھ اس میں حکومت کی ذمہ داریوں کو بجالانے کی قوت بھی ہو۔ ان خوبیوں والے خلیفہ (یا صدر مملکت) کے متعلق ہی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سے مت جھگڑو۔ لیکن جو فاسق و فاجر ہوں وہ خلافت و صدارت کے اہل نہیں۔

۱۴۷ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہزارہا انقلابوں کے باوجود جس طرح پورا ہو رہا ہے۔ دوست دشمن سب اس کا مشاہدہ کرتے چلے آتے ہیں اور تاقیامت مشاہدہ کرتے چلے جائیں گے۔

۱۴۸ وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر کرتے رہے اس کو مقام ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ہر ادا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بے جان حقیر پتھر جسے حضرت خلیل کے پاؤں سے چھو جانے کا شرف حاصل ہوا وہ قدرت کی نگاہ میں اتنا عزیز اور ذیشان ہے کہ امت مصطفوی کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اسے اپنی جائے نماز بنائیں۔

۱۴۹ اب کعبہ کی آبادی اور رونق افزائی کا اہتمام فرمایا جا رہا ہے۔ حکم ہے اے ابراہیمؑ اے اسمعیلؑ ہر آلائش سے ہر آلودگی سے اسے پاک صاف رکھو۔ اس کا فرش غبار سے، اس کی دیواریں بدنما دھبوں سے اور اس کی چھتیں مکڑی کے جالوں سے نہ اٹی رہیں بلکہ اجلا فرش، شفاف آئینہ وار دیواریں اور پاک و صاف چھتیں ہوں۔ تاکہ عبادت کرنے والوں کو دلجمعی نصیب ہو اور وہ اطمینان سے اپنے رب کی یاد کرتے رہیں۔ جب ظاہری پاکیزگی کا اتنا اہتمام ہو رہا ہے تو کفر و شرک کی غلاظت و عفونت سے اسے

إِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

کی ابراہیم نے اے میرے ربّ! بنادے اس شہر کو ١٥٠ امن والا اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

(یعنی) جو ان میں سے ایمان لاتے اللہ پر اور روزِ قیامت پر اللہ نے فرمایا (ان میں سے) جس نے کفر بھی کیا اسے بھی

قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ

فائدہ اٹھانے دوں گا چند روز پھر مجبور کروں گا اسے دوزخ کے عذاب کی طرف اور یہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے اور

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

یاد کرو جب اُٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السّلام) بُنیادیں ١٥١ خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السّلام) بھی۔ اے ہمارے پروردگار قبول فرما

مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے اے ہمارے ربّ! بنادے ہم کو فرماں بردار اپنا

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ

اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجّہ

پاک رکھنا کتنا اہم ہوگا۔ اسی دلیل سے ہر مسجد کو پاک وصاف رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

١٥٠ حضرت خلیلؑ نے عرض کی۔ اے ربّ کریم! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنادے اور اس کے ایماندار شہریوں کو تازہ پھل کھانے کے لیے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں التجائیں قبول فرمائیں۔ امامت کے سلسلہ میں چونکہ یہ ہدایت کی گئی تھی کہ یہ صرف فرمانبرداروں کا حصّہ ہے اس سے سبق لیتے ہوئے حضرت خلیلؑ نے رزقِ طیّب کا سوال کیا تو صرف اہلِ ایمان کے لیے لیکن پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ رزق تو مومن اور کافر سب کو دوں گا لیکن کفّار چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے کفر وسرکشی کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے۔

١٥١ خود کعبہ کی دیواریں چُن رہے ہیں۔ بلند اقبال فرزند پتھر اور گارا اُٹھا اُٹھا کر لا رہا ہے نسیمِ رحمت کے جھونکوں سے دلوں کے غنچے شگفتہ ہو رہے ہیں۔ کیف وسُرور کی ایک ناقابلِ بیان کیفیّت طاری ہے۔ اُس وقت اللہ کے یہ دونوں مقبول بندے

عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ

فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اے ہمارے رب! ۱۵۲ بھیج ان میں ایک برگزیدہ

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے ۱۵۳ انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں

اپنے ربّ کریم سے مانگ رہے ہیں اور وہ دیئے چلا جا رہا ہے۔ دامنِ طلب پھیلا ہوا ہے اور دستِ کرم مصروفِ جُود و عطا ہے۔ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اتنا ہی مانگا کہ لذّتِ نیاز اور ملے۔ لطفِ عبادت میں اور اضافہ ہو۔ مسلمین لك اور امۃ مسلمۃ لك کہہ کر گویا سب کچھ ہی تو مانگ لیا۔

۱۵۲ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دعا مانگنے کے بعد اللہ تعالےٰ سے ایک ایسے جلیل القدر رسولؐ کی بعثت کے لیے التجا کی جا رہی ہے جس کا دامنِ رحمت اتنا کشادہ اور خوانِ کرم اتنا وسیع ہو کہ ہر خاص و عام اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس دعا کا مصداق کون ہے۔ قرآن کے الفاظ پر غور کرنے سے حقیقت کھل جاتی ہے۔ وابعث فیھم اور رسولا منھم پر غور فرمائیے۔ ھم کی ضمیر کا مرجع یا امۃ مسلمۃ ہے یا ذریتنا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور لفظ نہیں جو کسی تاویل سے بھی ھم کا مرجع بنایا جا سکتا ہو۔ ان دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کو آپ مرجع بنائیے تو پہلی صورت میں معنی یہ ہو گا کہ امتِ مسلمہ میں سے جو ہماری (ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کیونکہ یہی دونوں دعا کرنے والے ہیں تیسرا اور کوئی نہیں) اولاد میں سے ہو۔ رسول مبعوث فرما۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہو گا کہ ہماری اولاد میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔ دونوں صورتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس دعا کا وہی مصداق ہے جو ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السّلام دونوں کی نسل سے ہو۔ اور جو حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تو ہیں لیکن اسمٰعیلؑ کی نسل سے نہیں (مثلاً اولادِ اسحاق علیہ السّلام) وہ اس دعا کا مصداق نہیں بن سکتے اور لطفِ ایزدی ملاحظہ ہو کہ ان دو حضرات کی نسل سے حضور کریم محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے علاوہ کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔ بلکہ کسی کو جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔ تاکہ یہ حقیقت ہر شک و شبہ سے بالاتر رہے کہ وہ ذاتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثّنا تھی جس کے لیے خلیلؑ و ذبیحؑ دعائیں کرتے رہے۔ رسولا مفرد اور نکرہ منون استعمال ہوا جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہو گا بھی ایک اور ہو گا بے مثال صاحبِ شانِ عظیم۔ الحمد للہ الذی جعلنا من اُمّتہ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے خود بھی فرمایا کہ انا دعوۃ ابی ابراھیم۔ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔

۱۵۳ اس رسولؐ کے تین فرائض گنوائے جا رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائے۔ دوسرا یہ کہ کتاب و حکمت سکھائے۔ تیسرا یہ کہ اپنے تصرّفِ روحانی سے دلوں کے آئینوں کو جلا دے اور روشن کرے تاکہ حقائق و معارف

١٥/٨/١٥ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ

اور پاک صاف کردے انھیں۔ بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے اور کون رُوگردانی کرسکتا ہے دینِ ابراہیمؑ سے ١٥٤

اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ

بجز اُس کے جس نے احمق بنا دیا ہو اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے چُن لیا ابراہیمؑ کو دُنیا میں

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ

اور بلاشبہ وُہ قیامت کے دِن نیکو کاروں میں ہوں گے اور یاد کرو جب فرمایا اُس کو اُس کے رب نے ١٥٥ اے ابراہیمؑ!

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ

گردن جُھکا دو عرض کی میں نے اپنی گردن جُھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے ١٥٦ اور وصیّت کی اِسی دین کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو

ان میں جلوہ نما ہوسکیں۔

حکمت سے کیا مُراد ہے؟ اس کے سمجھنے سے ایک بہت بڑے فتنے کا اصُولی ردّ ہو جائے گا۔ حکمت کہتے ہیں وضع الاشیأ علیٰ مواضعہا۔ ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔ یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکامِ قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خُدا کا منشأ ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تاکہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل ہو سکے۔ اور اسی حکمت یعنی بیانِ قرآن کو سُنّتِ نبویؐ کہا جاتا ہے۔ دُوسری متعدّد آیات میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ حکمتِ قرآن یعنی اس کا بیان نبی کا ذاتی اجتہاد نہیں ہوتا بلکہ وُہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے مثلاً ارشاد ہے وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر (اے نبیؐ) کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جیسے قرآن کی اطاعت فرض ہے اُسی طرح صاحبِ قرآن کی سُنّت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو گیا جو سُنّت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتی رائے خیال کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنا ضروری یقین نہیں کرتے (حکمت اور سُنّت پر مفصّل بحث احقر کی تالیف سنتِ خیرالانام میں مُلاحظہ فرمائیں)

١٥٤ ملّت سے مُراد دین اور شریعت ہے کیونکہ ملّتِ ابراہیمیؑ دینِ فطرت ہے اس لیے ہر سلیمُ الطبع اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ ہاں جن کی طبیعتیں مسخ ہو چکی ہوں اور سمجھ بگڑ چکی ہو وُہ اسے قبول نہیں کرتے۔

١٥٥ اسلام کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے گردن رکھ دینا یعنی اپنی راحت اور تکلیف، اپنے نفع اور نقصان، اپنی

وَيَعْقُوبُ ۖ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ

اور یعقوب ۱۵۷؎ نے اے میرے بچو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمھارے لیے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا

إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ

مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی یعقوبؑ کو

الْمَوْتُ ۙ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ

موت جب کہ پوچھا اُس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کروگے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد انھوں نے عرض کی ہم

إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ اٰبَآئِكَ إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ إِلٰهًا

عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کے خدا کی جو خدائے وحدہٗ لاشریک

وَّاحِدًا ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا

ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی انھیں فائدہ دے گا جو

رائے یا خواہش کو بالکل نظر انداز کر دے اور بغیر کسی حیل و حجّت کے اپنے ربّ کریم کے احکام کی تعمیل پر کمر بستہ ہو جائے۔ یہ ہے اسلام کا حقیقی مفہوم۔

۱۵۶؎ یہی وعدہ حضرت سیّدنا ابراہیمؑ نے اپنے ربّ سے کیا۔ اور دُنیا شاہد ہے کہ اُس مردِ پاکباز نے کیسے اس عہد کو نبھایا۔ ان کی زندگی میں مشکل سے مشکل امتحان آئے لیکن اُس ذاتِ قدسی صفات نے جس عزم و ثبات اور تسلیم و رضا کا ثبوت دیا۔ اُس نے فرشتوں کو بھی تصویرِ حیرت بنا دیا جب منجنیق میں رکھ کر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ میں آپ کو پھینکا جانے لگا تو جبرائیلؑ امین نے حاضر ہو کر عرض کی۔ هل لك حاجة؟ کوئی کارِ خدمت؟ کوئی ضرورت؟ فرمایا اما اليك فلا۔ تجھ سے کوئی حاجت نہیں۔ جبرئیلؑ نے پھر گزارش کی فاسأل ربك اپنے رب سے تو سوال کرو کہ آپ کو اس آگ کے شعلوں سے بچا لے۔ جواب دیا حسبي من سوالي علمه بحالي یعنی جب وُہ جانتا ہے تو مجھے عرض کرنے کی کیا ضرورت۔

۱۵۷؎ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السّلام نے اپنی اولاد کو دینِ اسلام پر ثابت قدم رہنے کی وصیّت فرماتے ہوئے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے زیادہ مختصر اور زور دار الفاظ مل نہیں سکتے۔ لا تموتن الا وانتم مسلمون یعنی مرنا تو اسلام پر مرنا۔ کیونکہ موت نے ضرور آنا ہے لیکن اس کے آنے کا وقت ہمیں معلوم نہیں۔ اس لیے ایسی اٹل اور اچانک آجانے والی چیز کے لیے انسان کو ہر لمحہ مستعد رہنا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اسلام کا دامن ہر وقت مضبوطی

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾ وَ

(نیک عمل) اُنھوں نے کمایا اور تمھیں نفع دیں گے جو (نیک اعمال) تم نے کمائے اور نہ پوچھے جاؤ گے تم اس سے جو وہ کیا کرتے تھے اور (یہودی)

قَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرٰهٖمَ

کہتے ہیں یہودی بن جاؤ (عیسائی کہتے ہیں) عیسائی بن جاؤ (تب) ہدایت پالو گے آپ فرمائیے میرا دین تو دین ابراہیمؑ ہے جو باطل سے منہ

حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا

موڑنے والا حق پسند تھا اور وہ نہیں تھا شرک کرنے والوں سے ۱۵۸ کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو

أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلٰى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ

نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اُتارا گیا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ

وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ

اور اُن کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے

سے پکڑے رہو۔ اور ایک آن کے لیے بھی یہ گرفت ڈھیلی نہ پڑے۔ مبادا وہی آن تمھارے یہاں سے کوچ کرنے کی ہو اگر غفلت کی حالت میں موت کا پیغام آگیا تو اپنے کریم رب کے حضور میں کیا منہ لے کر حاضر ہو گے۔ زندگی کی یہ بازی جیتنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہر وقت انسان چوکنا رہے۔ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔ نافرمانی اور سرکشی تو کجا غفلت کی گرد سے بھی اپنے دِل کے آئینہ کو مکدّر نہ کرے۔

۱۵۸ یہودیوں اور نصرانیوں کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے پر بڑا ناز تھا۔ ہر محفل اور مجلس میں اس نسبت پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور اپنی صداقت کی یہی دلیل پیش کرتے کہ ہم دین ابراہیمیؑ کے پیروکار ہیں لیکن بجائے اس کے کہ ان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوتے اُنھوں نے اُلٹا حضرت خلیلؑ کو یہودی اور عیسائی ثابت کرنا شروع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے ان کی غلط بیانی کی تردید کرتے ہیں کہ تمھاری اس شرک آلود یہودیت اور نصرانیت سے اس موحّدِ اعظمؑ کا کیا واسطہ۔ ان کا دامن عصمت تو ان تمام بدنما دھبّوں سے پاک اور منزّہ تھا۔

رَبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾

رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں ۱۵۹

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا

تو اگر یہ بھی ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو (معلوم ہوگیا کہ)

هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ ط

وہی مخالفت پر کمربستہ ہیں تو کافی ہو جائے گا آپ کو اُن کے مقابلے میں اللہ اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے

صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ﴿١٣٨﴾

(ہم پر) اللہ کا رنگ (چڑھا ہے) اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ کے رنگ سے ۱۶۰ ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَ

آپ فرمائیے کیا تم جھگڑتے ہو ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک۔ اور ہمیں ہمارے اعمال اور

لَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾ لا أَمْ تَقُولُونَ

تمھیں تمھارے اعمال فائدہ پہنچائیں گے ہم تو اُسی کی اخلاص سے عبادت کرتے ہیں کیا تم کہتے ہو

۱۵۹؎ یہود و نصاریٰ کی تنگ نظری اور تعصّب کے ذکر کے بعد اب مسلمانوں کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ تم اس تنگ نظری کا شکار نہ ہونا بلکہ تمھارا شیوہ یہ ہونا چاہیئے کہ اُن تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ تمام ان انبیاء کی تصدیق کرو جنھیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اگرچہ ان کتابوں کے ماننے کا دعوے کرنے والے تمھارے قرآن کو نہ مانیں اور اُن انبیاء کی اُمّت کہلانے والے تمھارے نبی مکرّم پر ایمان نہ لائیں بلکہ طرح طرح کی شر انگیزیوں سے اذیّت پہنچائیں تب بھی تمھارا رویّہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تم خدا کے بندے اور اس کے حکم کے سامنے سر افگندہ ہو۔

۱۶۰؎ یہود کی رسم تھی کہ جب کوئی ان کے دین میں داخل ہوتا تو اسے رنگدار پانی سے غسل دیتے۔ پھر عیسائیوں نے بھی اسے اختیار کر لیا۔ اور جب کوئی بچّہ پیدا ہوتا تو زرد رنگ کے پانی سے اُسے غسل دیتے (جسے اصطباغ یا بپتسمہ کہا جاتا ہے) اور پھر یہ سمجھتے کہ اب اس پر یہودیّت اور عیسائیّت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ رنگ

اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ

کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ اور ان کے بیٹے

كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ

یہودی تھے یا عیسائی فرمائیے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون

اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

زیادہ ظالم ہے اُس سے جو چھپاتا ہے گواہی جو اللہ کی طرف سے اُس کے پاس ہے اور اللہ بےخبر نہیں ہے جو

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

تم کر رہے ہو وُہ ایک اُمّت تھی جو گزر چکی اُسے مِلے گا جو اُس نے کمایا

٦ع١٦ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

اور تمھیں ملے گا جو تم نے کمایا اور تم سے نہ پُوچھا جائے گا اُس سے جو وُہ کیا کرتے تھے

چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو نہ پانی سے دُھلے نہ دُھوپ سے اُڑے اور نہ وقت گزرنے پر پھیکا پڑے۔ بھلا یہ ناپائیدار رنگ بھی کوئی رنگ ہے جس پر تم اِترا رہے ہو۔ اور اللہ کا رنگ یہی توحیدِ خالص کا رنگ ہے جس کو چڑھانے والا سیّدِ انس وجاں محمّد مُصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ہے۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ

اب کہیں گے بے وقوف لوگ ۱۶۱ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس

كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ

پر وُہ اب تک تھے آپ فرمائیے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا

سیدھے راستہ کی طرف اور اسی ۱۶۲ طرح ہم نے بنا دیا تمھیں (اے مسلمانو!) بہترین اُمّت تاکہ تم

۱۶۱ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم جب مکّہ مکرّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف فرما ہُوئے تو بیت المقدّس کی طرف جو اہلِ کتاب کا قبلہ تھا رُخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ سولہ سترہ ماہ اِسی پر عمل رہا۔ لیکن حضورؐ کی دلی آرزو یہی تھی کہ کعبہ جسے حضرت خلیل علیہ السّلام نے تعمیر کیا اُمّتِ مُسلمہ کا قبلہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی آرزو کو پُورا کرنے سے پہلے معترضین کے اعتراضات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ جب وُہ اعتراضات کی بوچھاڑ کریں تو مُسلمان کسی تذبذب کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ تمام قیل وقال سے بے نیاز ہو کر نہایت اطمینان سے اپنے مالک کے فرمان کی تعمیل کریں۔ پہلے بتا دیا کہ قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض صرف سطحی قسم کے لوگ ہی کریں گے جو اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ بیت المقدس کی سمت میں کوئی ذاتی خصوصیّت ہے جس کی وجہ سے اسے قبلہ بنایا گیا تھا اور وُہ خصوصیّت کسی اور سمت میں نہیں اس لیے بیت المقدس کے بغیر کوئی اور قبلہ بن ہی نہیں سکتا حالانکہ سمت ہونے میں تمام سمتیں یکساں ہیں۔ آج تک اگر یہ سمت قبلہ بنی رہی تو اس کی صرف یہی ایک وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اسے قبلہ مقرر فرما دیا۔ کسی کو اعتراض کا کیا حق۔ جو لوگ اتنی آسان سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے وُہ نادان اور بے سمجھ نہیں تو اور کیا ہیں۔

۱۶۲ یعنی جیسے ہم نے قبلہ کے معاملہ میں تمھیں راہِ راست اختیار کرنے کی توفیق بخشی اسی طرح ہر معاملہ میں تمھیں اُمّتِ وسط بنایا۔ وسط کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اس کا معنی ہے درمیان۔ ہر چیز کا درمیانی حصّہ ہی اس کا عمدہ ترین حصّہ ہوا کرتا ہے۔ انسان کی زندگی کا درمیانی عرصہ "عہدِ شباب" اس کی زندگی کا بہترین وقت ہے۔ دن کے درمیانی حصّہ دوپہر میں روشنی اپنے نقطۂ عرُوج پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اخلاق میں میانہ روی قابلِ تعریف ہوتی ہے۔ افراط وتفریط دونوں پہلو مذموم۔ بُخل اور فضول خرچی کی درمیانی حالت کو سخاوت، بُزدلی اور طیش کے درمیانی حال کو شجاعت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمّدیہ کو اس عظیم المرتبت خطاب سے سرفراز فرمایا۔ ان کے عقائد، ان کی شریعت، ان کے نظامِ اخلاق، سیاست

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۭ وَمَا

گواہ بنو لوگوں پر۱۶۳ اور (ہمارا) رسولؐ تم پر گواہ ہو اور نہیں

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ

مقرر کیا ۱۶۴ ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے ہمارے رسولؐ کی

اور اقتصاد میں افراط و تفریط کا گزر نہیں۔ یہاں اعتدال ہے توازن ہے موزونیت ہے۔ جب مسلمانوں کو اپنے اس عظیم منصب کا پاس تھا اُس وقت اُن کا ہر قول اور ہر فعل آئینہ تھا اس ارشادِ ربّانی کا لیکن آج تو ہم یُوں بگڑ چکے کہ قرآن میں جس اُمّت کے محاسن بیان کیے گئے ہیں ہم پہچان ہی نہیں سکتے کہ وُہ ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرمادے۔ آمین۔

۱۶۳ے اُمّتِ محمّدیہ گواہ ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دُنیا میں اس کی گواہی اسلام کی صداقت پر ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی وُہ زندہ تصویر ہے۔ دُنیا میں اس کا ہر قول ہر فعل اس کی انفرادی اور اجتماعی خوشحالی، اس کی سیرت کی پختگی اور اس کے اخلاق کی بلندی ہر چیز اسلام کی صداقت پر گواہی دے رہی ہے۔ اور قیامت کے روز جب اگلے پیغمبروں کی اُمّتیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گی کہ ہمیں کسی نے تیرا پیغام ہدایت نہیں پہنچایا تو اس وقت اُمّتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہی دے گی کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ تیرے پیغمبروں نے تو تیرا پیغام حرف بحرف پہنچا دیا تھا اور جب اُن پر اعتراض ہوگا کہ تم اُس وقت موجود ہی نہ تھے تم گواہ کیسے بن گئے تو یہ جواب دیں گے کہ اے اللہ! تیرے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ تیرے رسُولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی اُمّت کی صداقت و عدالت کی گواہی دیں گے۔ کیونکہ حضورؐ اپنے اُمتیوں کے حالات سے پُورے واقف ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرماتے ہیں:۔

باشد رسولِ شما بر شما گواہ زیرا نکہ او مطلع است بنُورِ نبوّت بر رُتبہ ہر متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ در دین من رسیدہ و حقیقتِ ایمانِ او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او مے شناسد گناہانِ شما را و درجاتِ ایمانِ شما را و اعمالِ نیک و بدِ شما را و اخلاص و نفاق شما را۔

ترجمہ:۔ تمھارا رسُولؐ تم پر گواہی دے گا۔ کیونکہ وُہ جانتے ہیں اپنی نبوّت کے نُور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رُتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور وُہ کونسا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رُکی ہُوئی ہے۔ پس وُہ تمھارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں۔ تمھارے ایمان کے درجوں کو، تمھارے نیک اور بد سارے اعمال کو اور تمھارے اخلاص اور نفاق کو بھی خُوب پہچانتے ہیں۔

۱۶۴ے سولہ سترہ ماہ کے لیے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے اور پھر کعبہ کو حسبِ سابق قبلہ بنا دینے کی ایک حکمت بیان

مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى

(اور) کون مُڑتا ہے اُلٹے پاؤں بے شک یہ (حکم) بہت بھاری ہے مگر اُن پر

الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

(بھاری نہیں) جنھیں اللہ نے ہدایت فرمائی اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کردے تمہارا ایمان ۱۶۵ بے شک اللہ تعالیٰ

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ

لوگوں پر بہت ہی مہربان (اور) رحم فرمانے والا ہے ہم دیکھ رہے ہیں ۱۶۶ بار بار آپ کا مُنہ کرنا آسمان کی طرف

فرمائی جارہی ہے کہ وُہ جو نبی کی بے چُون وچرا اطاعت کرتے ہیں اُن لوگوں سے مُمتاز اور علیحدہ ہو جائیں جو بات بات پر اعتراض کرنے اور اپنی عقل کی سند حاصل کرنے کے خوگر ہیں۔ لنعلم کا عام معنی تو یہ ہے "تاکہ ہم جان لیں" اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ پہلے ان کو نہیں جانتا۔ اس لیے علامہ قرطبیؒ نے سیّد الفصحاء و امام البلغاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لِنَعْلَمَ کا معنی لِنَرىٰ نقل کیا ہے یعنی جو چیز ہمارے علمِ ازلی میں قدیم سے ہے اُسے وقوع پذیر ہوتے ہُوئے دیکھ لیا جائے۔ والعرب تضع العلم مکان الرؤیۃ والرؤیۃ مکان العلم یعنی اہلِ عرب لفظ علم رؤیت (یعنی دیکھنے کے معنی میں اور رؤیت علم کے معنی میں عام استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے اب کوئی اشکال نہ رہا۔

مطیع اور معترض کی پہچان کے سوا تحویلِ قبلہ میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ اس سے اس امر کا اعلان مقصُود ہے کہ اب سیادت اور نبوّت بنی اسرائیل سے منتقل ہوکر اولادِ اسمٰعیلؑ میں آگئی اسی لیے کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔

۱۶۵ بعض صحابہؓ کو یہ خیال گزرا کہ جو مسلمان بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے اور تحویلِ قبلہ سے پہلے انتقال کر گئے اُن کی نمازیں تو ضائع ہوگئیں۔ اُن کی تسکین کے لیے فرمایا کہ اُن کی نمازیں ضائع نہیں ہُوئیں۔ وُہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نمازیں ادا کرتے رہے اس لیے ضائع ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۶۶ کعبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت خلیلؑ کا قبلہ تھا۔ نیز اہلِ عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ تھا۔ یہ اور ان کے علاوہ کئی دیگر وجُوہات بھی تھیں جنھیں نگاہِ نبوّت دیکھ رہی تھی، جن کے باعث حضورؐ کی دِلی تمنّا تھی کہ کعبہ کو قبلہ بنایا جائے۔ اور چشمِ اُمید درِ رحمت کی طرف بار بار اُٹھتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبُوبؐ کی یہ ادا اتنی پیاری اور اس کی خوشنودیٔ خاطر اتنی مطلوب تھی کہ اسی آیت میں اعلان فرما دیا کہ اے محبُوبؐ! جو قبلہ تمھیں پسند وُہی ہمیں پسند اور تیری خوشی کے لیے ہم کعبہ کو قبلہ مقرر فرماتے ہیں۔ قد نریٰ تقلّب وجھك (بصیغہ مضارع) فرمایا قد رأینا (ماضی) نہیں فرمایا۔ جیسے ظاہرِ حال کا تقاضا ہے۔ اِس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تیرے رُخِ انور کا بار بار آسمان

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ

تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اُس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف ۱۶۷؎

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

(اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف اور بے شک وہ جنھیں کتاب

الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

دی گئی ۱۶۸؎ ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا

اور اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل (پھر بھی) نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی اور نہ

اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ

آپ پیروی کرنے والے ہیں اُن کے قبلہ کی اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر (بالفرض محال)

کی طرف اُٹھنا ایسی چیز نہیں جسے قصّہ ماضی بنا کر بیان کیا جائے۔ بلکہ چشمِ قدرت اس منظرِ روح پرور کا اب بھی یونہی مشاہدہ فرما رہی ہے۔ فرمایا ہم دیکھ رہے ہیں تیرا بار بار آسمان کی طرف اپنے رُخِ جہاں افروز کا اُٹھانا۔ کیا شانِ محبوبیت ہے۔ سبحان اللہ!

۱۶۷؎ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ؐ اپنے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھ رہے تھے دو رکعتیں ادا فرما چکے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اُسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس سے منہ موڑ کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ صحابہ کرام ؓ نے بھی اپنے رُخ کعبہ کی طرف پھیر لیے۔ مدینہ کی دوسری مسجدوں میں بھی جہاں جہاں جماعت ہو رہی تھی جب یہ حکم پہنچا تو اُسی لمحہ تمام صحابہ کرام ؓ نے اپنے رُخ پھیر لیے اور دُنیا کو تسلیم و رضا کا ایک بے مثال نمونہ دکھایا۔ صحابہ کرام ؓ کی محیّر العقول ترقی کا راز اپنے نبی اور اپنے قائد کی اسی بے چون وچرا اطاعت میں مضمر تھا۔

۱۶۸؎ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ؐ کو تسلّی دیتے ہیں کہ آپ یہود کے اعتراضات سے پریشان نہ ہوں۔ ان کی کتاب میں تحویلِ قبلہ کا ذکر موجود ہے۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اب محض تعصّب اور ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ اس لیے ان کے سامنے جتنے دلائل پیش کیے جائیں انھیں ہدایت نہ ہو گی۔

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ

آپ پیروی کریں ۱۶۹ ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ

ظالموں میں (شمار) ہوں گے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انھیں جیسے وہ پہچانتے ہیں

اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اپنے بیٹوں کو ۱۷۰ اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ

یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز نہ بن جانا شک کرنے والوں سے اور ہر قوم کے لیے ۱۷۱ ایک سمت (مقرر) ہے

وقف لازم ۔ وقف منزل ۔ ع ۱۷

۱۶۹ اس آیت میں بظاہر خطاب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہے لیکن مُراد اُمّت ہے۔ کیونکہ اُمّت سے تو اپنے نفس کی خواہشات کی تابعداری ممکن ہے لیکن نبی کی ذات جو صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے اس سے تو ناممکن ہے کہ ایسا جرم سرزد ہو مضمون کی اہمیّت کے باعث حضورؐ کی طرف نسبت کی گئی۔ فهو محمول على ارادة امته لعصمة النّبی صلی اللّٰہ علیه وسلّم وخوطب علیه السّلام تعظیما للامر (قرطبی)

۱۷۰ یعنی اہلِ کتاب اپنے بیٹوں کی طرح حضور نبیؐ کریم کو خُوب پہچانتے ہیں۔ اُن کی آسمانی کتابوں میں حضورؐ کا حُلیہ، اوصاف اور معجزات یُوں صاف صاف لکھے ہیں کہ شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

۱۷۱ تحویلِ کعبہ کے بعد یہود اور مُنافقین نے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کردی اور سادہ لوح مُسلمانوں کو طرح طرح کے مکر و فریب سے اسلام سے برگشتہ کرنا اپنا مشغلہ بنالیا۔ قرآن نے ان کے سب شور و شغب کا ایک ہی مسکت جواب دیا۔ کہ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے مُسلمانوں سے پہلے جتنی اُمتیں گزری ہیں سب کے لیے ایک ایک سمت عبادت کرنے کے لیے مقرر کردی گئی۔ اگر پیغمبرِ اسلام نے اپنے رب کے حکم کے مُطابق کعبہ کو اپنی اُمّت کا قبلہ مقرر فرمادیا تو اس میں کیا انوکھی بات ہے کہ تم یُوں سیخ پا ہوگئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کعبہ جسے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام کے مقدّس ہاتھوں نے تعمیر کیا مِلّتِ ابراہیمیؑ کے علمبردار اور نسلِ اسمٰعیلؑ کے نبیؐ کا قبلہ بنایا جائے۔

هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُونُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

وُہ اُسی کی طرف مُنہ کرتی ہے پس آگے بڑھ جاؤ ۱۷۲؎ دُوسروں سے نیکیوں میں تم کہیں ہو لے آئے گا اللہ تعالیٰ

جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

تم سب کو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جہاں سے بھی آپ (باہر) نکلیں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ

تو موڑ لیا کریں (نماز کے وقت) اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف اور بے شک یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر جو کچھ تم کرتے ہو اور جہاں سے آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

اپنا رُخ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو تو پھیر لیا کرو اپنے مُنہ

شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ

اس کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم پر اعتراض (کی گنجائش) ۱۷۳؎ بجز اُن لوگوں کے جو ناانصافی کریں ان سے

۱۷۲؎ یہ معمولی سی بات جسے تم یُوں اُچھال رہے ہو موضوعِ سخن بنانے کے لائق نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ وُہ خیرات یعنی ازلی ابدی نیکیاں جن پر سب ادیان متفق ہیں ان کو عملی جامہ پہنانے میں ایک دُوسرے سے سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا کرو۔ لیکن یہ کام تو مشکل ہے۔ اِس میں نفس کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اپنی خواہشات کا خُون کرنا پڑتا ہے اور وُہ تمھارے بس کا روگ نہیں۔ اِس لیے تم ان حقیقی اُمُور سے رُوگردانی کیے ہُوئے ہو۔ اور فروعی اور غیر اہم چیزوں کو یُوں اہمیّت دے رہے ہو گویا دین کا اصل الاصول بس یہی ایک چیز ہے۔

۱۷۳؎ بتا دیا کہ سفر ہو یا حضر، دُور ہو یا نزدیک حالتِ نماز میں تمھارا رُخ کعبہ کی طرف ہی ہونا چاہیئے ورنہ اہلِ کتاب اور مُشرکین تم پر اعتراض کریں گے اور وُہ اعتراض بجا ہوگا۔ کیونکہ اہلِ کتاب نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان ؐ کا قبلہ کعبہ ہوگا اور تم کعبہ رُخ ہو کر نماز نہیں پڑھو گے تو وُہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ وُہ نبی نہیں جس کی بشارت

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۗ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

سو نہ ڈرو تم اُن سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرا کرو تاکہ میں پُورا کردوں اپنا انعام تم پر ۱۷۴ اور تاکہ تم راہ راست پر ثابت قدم رہو

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ

جیساکہ بھیجا ۱۷۵ ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھ کر سُناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ۱۷۶ ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے

مع ۳ عند المتأخرین ۱۲

ہماری کتابوں میں دی گئی ہے۔ اور مُشرک کہیں گے کہ دعویٰ تو کرتے ہیں ملّتِ ابراہیمی ہونے کا اور ان کے قبلہ کو قبلہ بھی نہیں سمجھتے۔ اور بعض ناحق شناس جواب بھی غوغا آرائی کر رہے ہیں وُہ التفات کے لائق ہی نہیں۔

۱۷۴ کعبہ کا قبلہ متعیّن کیا جانا خود بہت بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ اس طرح ملّتِ اسلامیہ کو ایک مخصوص اور محسوس مرکز عطا فرما دیا گیا جو اُن کی توجّہات اور عبادات کا مرجع ہو۔ تاکہ رنگ و زبان، قومیّت اور وطن کے سب اختلافات کے باوجود اسے دیکھنے والے یقین کرلیں کہ یہ ایک قوم ہے، اس کا مرکزِ توجّہات ایک ہے، اس کا مقصدِ حیات ایک ہے۔ نیز تحویلِ قبلہ میں اس بات کی طرف بھی صاف اشارہ ہے کہ اب دُنیا کی قیادت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد میں آگئی ہے۔ یہ سرفرازی اور یہ شرف بذاتِ خود ایک نعمتِ عظمےٰ ہے۔

۱۷۵ تعمیرِ کعبہ کے وقت جو دُعا حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام نے کی کہ ان میں ان صفات والا رسول مبعوث فرمایا جائے اب بتایا جا رہا ہے کہ وُہ دُعا مقبول ہُوئی۔ اور وُہ رسُولِ کریم ان تمام صفات سے متّصف ہو کر تشریف فرما ہوگیا۔

۱۷۶ امام وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیرِ مظہری میں تحریر فرماتے ہیں:۔ تکرار الفعل یدل علی ان ھذا التعلیم من جنس آخر ولعل المراد بہ العلم اللدنی الماخوذ من بطون القرآن و من مشکاۃ صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا سبیل الی درکہ الا الانعکاس۔ ترجمہ: یعلم کا فعل دوبارہ ذکر کیا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تعلیم پہلی تعلیم کتاب و حکمت سے الگ نوعیّت کی ہے اور شاید اس سے مُراد علمِ لدُنّی ہے جو قرآن کے باطن اور نبی مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے منوّر و روشن سینہ سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے حصُول کا ذریعہ یہ مروّجہ تعلیم و تعلّم نہیں بلکہ انعکاس ہے یعنی آفتابِ قرآن کی کرنیں اور ماہتابِ نبوّت کی شعاعیں دِل کے آئینہ پر منعکس ہوتی ہیں (اس عارفِ ربّانی نے اس مسئلہ کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے چاہیئے کہ ملاحظہ کیا جائے) اور اولیائے کاملین جو انوارِ نبوّت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وُہ بھی اپنے مُریدانِ باصفا پر اسی قسم کے علوم و معارف کا القا اور فیضان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مسکینوں

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ

سو تم مجھے یاد کیا کرو ۱۷۷ میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو ۱۷۸ اے ایمان والو!

اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾

مدد طلب کیا کرو صبر ۱۷۹ اور نماز (کے ذریعہ) سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۱۸۰

پر بھی اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طفیل یہ انعام فرمادے آمین ثم آمین!

۱۷۷ یہاں بھی عارف باللہ قاضی ثناء اللہ کے الفاظ ہی قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ولما كان طريق تحصيل تلك المعارف منحصرا فی الالقاء والانعكاس وكان كثرة الذكر والمراقبة يفيد للقلب والنفس صلاحية الانعكاس من مشكاة صدر النبی صلی اللہ عليه وسلم بلا واسطة او بوسائط عقب اللہ سبحانه بقوله فاذكرونی

ترجمہ: جب ان معارف کے حاصل ہونے کا طریقہ صرف القاء اور انعکاس ہے اور ذکر الٰہی اور مراقبہ سے ہی دل میں یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پُرنور سینہ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیضان و القاء قبول کر سکے اس لیے حکم دیا کہ میرا ذکر کیا کرو۔ کثرتِ ذکر سے ہی تم اس مقام پر فائز کیے جاؤ گے۔ جہاں انوار و تجلّیات کی بے محابا بارش ہوتی ہے اور دُوری کے حجاب یکسر اُلٹ دیئے جاتے ہیں۔

تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی بندہ کی کوئی عزّت افزائی ہوسکتی ہے کہ اس کا مالک و خالق اس کو اپنی یاد سے سرفراز فرمادے۔ ایک حدیث قدسی بھی ملاحظہ ہو تاکہ اپنے ربِ کریم کی بندہ نوازی کا آپ کو اندازہ ہوسکے۔

انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذكرنی فان ذكرنی فی نفسه ذكرته فی نفسی وان ذكرنی فی ملإ ذكرته فی ملأ خير منهم وان تقرب الی شبرا تقربت اليه ذراعا وان تقرب الی ذراعا تقربت اليه باعا وان اتانی يمشی اتيته هرولة (متفق عليه)

ترجمہ: میرا بندہ جیسے مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسا ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر مجمع عام میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوجاتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں ایک قدم اُس کے قریب ہوجاتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔ (بخاری مسلم)

۱۷۸ جو انعام میں نے تم پر فرمائے۔ مثلاً رسول بھیجے، ہدایت کی توفیق بخشی، شوق و محبت کا جذبہ عطا فرمایا اس پر شکر ادا کرو۔ نعمتوں کا انکار، رسول کی نافرمانی اور غفلت میں وقت ضائع کرکے ناشکری نہ کرو۔

۱۷۹ دنیا کی امامت کا جو شرف تمھیں بخشا گیا ہے اُس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ مشکلات سے گھبراؤ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر بھروسہ کرکے قدم بڑھاتے چلو

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

اور نہ کہا کرو اُنھیں جو قتل کیے جاتے ہیں ۱۸۱؎ اللہ کی راہ میں کہ وُہ مُردہ ہیں بلکہ وُہ زندہ ہیں

اور نماز سے اپنی بندگی کے تعلق کو پختہ بناتے رہو یقیناً کامیابی تمہارے قدم چُومے گی (اس کی وضاحت پہلے بھی گزر چکی ہے)

۱۸۰؎ یہاں معیّت سے خصوصی معیّت مُراد ہے یعنی تائید اور نصرت کی معیّت۔ اور صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں۔ قلت بل معیة غیر متکیفة یتضح علی العارفین یعنی اس سنگت سے وُہ خاص سنگت مُراد ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ صرف عارف ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

۱۸۱؎ جب میدانِ بدر میں کئی مُسلمان شہید ہُوئے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں مر گیا وُہ اپنی زندگی کی لذّتوں سے محرُوم ہو گیا۔ غیرتِ الٰہی اس کو برداشت نہ کر سکی کہ جن لوگوں نے اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جانیں قُربان کیں اُنھیں مُردہ کہا جائے۔ اس لیے یہ آیت نازل فرما کر اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مُردہ کہنے سے سختی سے روک دیا۔ بلکہ بتایا کہ وُہ زندہ ہیں۔ شہداء کی زندگی کس قسم کی ہے؟ اس پر گفتگو کرتے ہُوئے صاحب رُوح المعانی تصریح کرتے ہیں:۔ فذھب کثیر من السلف الی انھا حقیقیة بالروح والجسد وذھب البعض الی انھا روحانیة والمشھور ترجیح الاول۔

ترجمہ:۔ یعنی سلف صالحین کی اکثریّت کا یہی مذہب ہے کہ شہداء کی زندگی رُوحانی اور جسمانی دونوں طرح کی زندگی ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ صرف رُوحانی زندگی ہوتی ہے۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ اور صاحب تفسیر مظہری بیان فرماتے ہیں یعنی ان اللّٰه تعالٰی یعطی لارواحھم قوة الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنة حیث یشاؤن وینصرون اولیاءھم ویدمرون اعداءھم ان شاء اللّٰه تعالٰی۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ان کے رُوحوں کو جسموں کی قوّت دیتا ہے۔ وُہ زمین، آسمان اور جنّت میں جہاں چاہیں جاتے ہیں اور وُہ (شہداء) اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں اور اپنے دُشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

جب شہداء کی زندگی کا یہ حال ہے تو انبیاء اور صدیقینِ اُمّت جو شہیدوں سے مرتبہ و شان میں بالاتفاق اعلیٰ اور برتر ہیں اُن کی زندگی میں کیوں کر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی زندگی کی وجہ سے ان کے جسمِ خاکی بھی صحیح و سلامت رہتے ہیں چنانچہ امام مالکؒ نے روایت فرمایا ہے کہ جنگِ اُحد کے چھیالیس سال بعد حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن جبیر کی قبر (دونوں ایک ہی قبر میں مدفون تھے) سیلاب کی وجہ سے جب کھُل گئی تو ان کے اجسادِ طاہرہ یُوں تر و تازہ اور شگفتہ و شاداب پائے گئے جیسے اُنھیں کل ہی دفن کیا گیا ہو۔ (موطا) اس بیسویں صدی کا واقعہ ہے کہ جب دریائے دجلہ حضرت عبداللہ بن جابرؓ اور دیگر شہداء کی قبروں کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تو حکومت عراق نے ان شہداء کرام کی نعشوں کو حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار پُر انوار کے جوار میں منتقل کرنا چاہا تو ان حضرات کی قبریں کھودی گئیں تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے پاک جسم صحیح و سلامت پائے گئے۔ ہزارہا

وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

لیکن تم (اسے) سمجھ نہیں سکتے ۱۸۲ اور ہم ضرور آزمائیں گے تمھیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف ۱۸۳

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ

اور بھوک اور کمی کرنے سے (تمھارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور

بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

خوشخبری سُنائیے ان صبر کرنے والوں کو جو کہ جب پہنچتی ہے اُنھیں کوئی مُصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم

لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وُہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں

مخلوق نے اسلام کا یہ معجزہ اور قرآن کی اس آیت کی صداقت کا اپنی ان آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ ومن اصدق من اللہ قیلا۔

۱۸۲ یعنی اس زندگی کی ماہیّت وحقیقت تم اپنے عقل وحواس سے نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تمھاری عقل نہ سمجھ سکے تو تم انکار کی جُرأت نہ کرنا۔

۱۸۳ جب تک انسان اس دُنیا میں ہے رنج وغم اور مُصیبت والم سے اُسے کم وبیش دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ قرآن نے اپنے ماننے والوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے وُہ اب ہر طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچ گئے۔ البتّہ قرآن نے مسلمانوں کو صبر کی ایک ڈھال دے دی جس سے وُہ مصائب وحوادثات کے بے رحم حملوں سے اپنا بچاؤ کرسکتے ہیں۔ اُنھیں ایک ایسا عقیدہ دے دیا جو ان کے سکون وقرار کو نازک ترین لمحوں میں بھی سلامت رکھ سکتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جس کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اس میں مقابلہ کی ہمّت ختم ہوجاتی ہے اور مُصیبتیں اسے خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتی ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے مصائب کے سامنے ڈٹا رہے تو یہ کالے بادل خود بخود چھٹ جاتے ہیں۔ نیز جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ میں بھی اور میرا سب کچھ میرا اپنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہے وُہ کسی کے مرنے یا کھیتی باڑی اور کاروبار میں نقصان واقع ہونے سے اتنا دلگیر ہی کیوں ہوگا کہ اس کا حوصلہ ہی ٹوٹ جائے بلکہ وُہ نئی جد وجہد کے لیے اپنے آپ کو تازہ دم پائے گا۔ اسی لیے قرآن نے رنجدہ واقعات کی طویل فہرست ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ وُہ گُر بھی بتا دیا جس پر عمل کرکے وُہ ان نازک مرحلوں میں کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔

وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ

اور رحمت ہے ۱۸۴ اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں بے شک صفا اور مروہ ۱۸۵

مِن شَعَآئِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں

عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللَّهَ

اسے کہ چکر لگائے ان دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا

شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ

قدردان خوب جاننے والا ہے بے شک جو لوگ ۱۸۶ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں روشن دلیلوں

وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ ۙ أُولَٰٓئِكَ

اور ہدایت سے اس کے بعد بھی کہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا انھیں لوگوں کے واسطے (اپنی) کتاب میں یہی وہ لوگ ہیں

۱۸۴ اللہ تعالیٰ ان باہمت اور عالی حوصلہ لوگوں کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرح طرح کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور سیدھی راہ پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق مرحمت کی جاتی ہے۔

۱۸۵ شعائر جمع ہے شعیرۃ کی اس کا معنی علامت ہے۔ احناف کے نزدیک صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا حج وعمرہ میں واجب ہے اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کے بت نصب تھے۔ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس جگہ سعی کرنا ناگوار گزرا جہاں پہلے بت رکھے ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تمھیں تو حضرت ہاجرہ کی پیروی میں دوڑنا ہے تمھیں مناسب نہیں کہ تم بتوں کی وجہ سے اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ مکرمہ کی سنت کو ترک کر دو مسلمانوں کے دل میں جو نفرت تھی اس کو اس حکیمانہ انداز سے دور فرما دیا یعنی کوئی حرج نہیں بیشک صفا و مروہ میں دوڑ لگا لیا کرو۔ اور اس کا واجب ہونا حدیث پاک سے ثابت ہوا۔

۱۸۶ اس آیت میں بنی اسرائیل کے ان علماء سوء کا ذکر ہے جو اپنے دنیاوی فائدہ کے لیے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کو چھپاتے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو اپنی منشاء اور خواہش کے مطابق توڑ موڑ دیا کرتے۔ اب بھی کوئی عالم اگر حضور کے کمالات کے اظہار میں بخل کرے اور احکام شریعت میں تحریف کرے تو اس کا یہی حکم ہے۔

يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا

کہ دُور کرتا ہے انھیں اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) اور لعنت کرتے ہیں انھیں لعنت کرنے والے البتہ جو لوگ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں

وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ

اور ظاہر کردیں (جو اب تک چھپاتے رہے) تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہوں بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مرے اس حال پر کہ وُہ کافر تھے یہی وُہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اللہ کی

وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

ان سے عذاب اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی اور تمھارا خدا ایک خدا ہے ۱۸۷

ع ۱۹ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

نہیں کوئی خدا بجز اس کے بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے بے شک ۱۸۸ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں

۱۸۷ یہ آیت قرآن حکیم کی عظیم ترین آیتوں میں سے ہے۔ اس کے پہلے ٹکڑے میں توحید کا ثبوت، دُوسرے میں شرک کی نفی اور تیسرے میں دونوں کی دلیل ہے۔ یعنی جب اسی کی وسیع رحمت پر تمھارے وجُود، تمھاری بقا اور نشو ونما اور تمھارے آرام و راحت کا دار و مدار ہے تو اس کے علاوہ اور کون ہے جو الٰہ یا معبُود بننے کا حقدار ہو۔

۱۸۸ اس آیت میں توحید کے دلائل شرح و بسط سے بیان کیے گئے ہیں اس اہم ترین اور مشکل ترین مسئلہ کے اثبات کے لیے قرآن کا طرزِ استدلال فلسفیوں کے طرزِ استدلال سے بالکل الگ ہے۔ قرآن فکر و نظر کے گھڑے ہُوئے دلائل پیش نہیں کرتا جو پیچیدہ اصطلاحات سے بوجھل ہوں جن کو سمجھنے کے لیے خاص ذہنی اور علمی استعداد کی ضرورت ہو اور سمجھ آبھی جائیں تو ان میں وُہ زور نہیں ہوتا کہ وُہ انسان کو شک اور گمان کی دلدل سے باہر کھینچ لیں اور یقین کی منزل تک پہنچا دیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم دلائل کو نہ پیش کرتا ہے جو کائنات کے کھُلے صفحات پر جلی قلم سے لکھے ہُوئے ہیں جو روشن اور واضح اتنے ہیں کہ ہر شخص

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ

اور رات اور دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وہ چیزیں

بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ

اُٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اُتارا اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ

پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور

وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لٹکتا رہتا) ہے

انھیں اپنی قابلیت کے مطابق سمجھ سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ گہرے اور پیچیدہ اتنے کہ ماہر غوطہ زن بھی ان کی تہ تک پہنچنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ عقل گرہ کشا جتنی گرہیں کھولتی جاتی ہے اس سے زیادہ عقدہائے لاینحل اس کو چیلنج کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ ان دلائل میں جو شخص سنجیدگی سے غور کرے گا وہ یقین و تصدیق کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ یہی ہے قرآن کے طرزِ استدلال کا طرۂ امتیاز اور وجہِ اعجاز! اب آپ اس آیت کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ آسمان کی نیلی وسیع چھت اس میں لٹکے ہوئے اَن گنت ستارے، چاند اور سورج، پھر ان کا مقررہ وقت پر طلوع و غروب جن میں ایک سیکنڈ کے برابر بھی کبھی فرق نہیں ہوتا، اُن کی گردش کے متعیّن راستے جن سے سرِ مُو کبھی انحراف نہیں ہوا۔ زمین کا یہ کشادہ صحن، اس میں رواں دواں ندیاں اور دریا، رات دن کی پیہم گردش، ان کا گھٹنا بڑھنا، بیکراں سمندروں کے سینوں پر مسافروں سے لدی اور سامان سے بھری ہوئی کشتیوں اور جہازوں کا خراماں خراماں آنا جانا، گھنگھور گھٹائیں اور اُن کا موسلا دھار برسنا، پھر مُردہ زمین کا دیکھتے دیکھتے سرسبز و شاداب ہو جانا، کرّۂ ہوا میں بادلوں کا منڈلاتے پھرنا، کبھی برسنا اور کبھی ترساتے ترساتے آنِ واحد میں ناپید ہو جانا ایسی چیزیں نہیں جنہیں عالم تو جانتے ہوں اور بے علم نہ جانتے ہوں، جنہیں دانشمند سمجھ سکتے ہوں اور کم عقل کی سمجھ سے بالاتر ہوں بلکہ کائنات کی کتاب کا ہر ورق ہر کہ و مہ کے لیے یکساں طور پر روشنی کا مینار ہے۔ اور اس کی باوجود لطف یہ ہے کہ اتنا واضح ہونے کے باوجود اتنا سطحی بھی نہیں کہ اہلِ فکر و دانش کے لیے اس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہ ہو بلکہ انھیں دعوت ہے کہ اپنے نشترِ تحقیق سے ذرّے ذرّے کا دل چیریں اور دیکھیں کہ ان میں اسرار و رموز اور قوّت و طاقت کے وہ سمندر موجزن ہیں جن کا انھیں تصوّر تک نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لمحہ مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کا ذکر فرمانے کے بعد قرآن نے بارہا افلا تتفکرون افلا تتدبرون

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ

ان سب میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں ۱۸۹ جو بناتے ہیں اوروں کو

اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا

اللہ کا مدِّمقابل محبت کرتے ہیں ان سے جیسے اللہ سے محبت کرنا چاہیئے اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت کرتے

لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ

ہیں اللہ سے ۱۹۰ اور کاش! (اب) جان لیتے جنھوں نے ظلم کیا (جو وہ اس وقت جان جائیں گے) جب (آنکھوں سے) دیکھ لیں گے عذاب

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ

کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (خیال کرو) جب بیزار ہو جائیں گے وہ

کے جملے کہے کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تم تدبّر نہیں کرتے؟ اور ان چھبتے ہوئے فقروں سے دانش و خرد کو للکارا ہے کاش یہ الفاظ اس اُمّت کے نوجوانوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیں جن کی آسمانی کتاب نے اُنھیں واضح طور پر بتا دیا تھا۔ ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی ہر چیز صرف تمھارے لیے پیدا کی ہے۔

ان روزمرّہ دکھائی دینے والی چیزوں میں اگر آپ غور کریں گے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ تنوّع میں یکسانیّت، اختلاف میں توافق، کثرت میں وحدت اور یہ بے مثال نظم و ضبط بغیر کسی علیم حکیم اور قدرت والے خالق کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ روشن دلیلیں صرف ان کو فائدہ دیتی ہیں جن کی عقل کی آنکھ بینا ہے اور جو اس سے کام لینا پسند کرتے ہیں۔

۱۸۹ اس کے بعد ان نادانوں کا ذکر ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے اور ان واضح دلائل پر غور نہیں کرتے اور اپنے رب کو چھوڑ کر اپنے بُتوں یا جھوٹے سرداروں کی محبّت کا دم بھرتے ہیں۔

۱۹۰ یہ الفاظ غور طلب ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ وُہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبّت کرتے ہیں اور کسی سے محبّت نہیں کرتے بلکہ فرمایا وُہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبّت کرتے ہیں یعنی عزیز و اقارب، فرزند و زن، مال و جاہ سے ان کو محبّت ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے جو اُن کو محبّت ہے وُہ سب محبّتوں سے بڑھ کر ہے اور اس کا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب یہ محبّتیں کچھ کہتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی محبّت کچھ کہتی ہو۔ تو اُس وقت اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے حُکم کے سامنے گردن خم کر دی تو وُہ سچّا ورنہ جھوٹا۔ صوفیاء کرام نے "انداد" کی تفسیر یہ فرمائی ہے۔ کل ما کان مشغلا عن اللہ مانعا من امتثال امرہ۔ ہر وُہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے اور اس کے احکام کی تعمیل سے

اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ

جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے

الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ

تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دُنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

ان سے جیسے وُہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یُونہی دکھائے گا انھیں اللہ تعالیٰ ان کے (بُرے) اعمال کہ باعثِ پشیمانی

عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا ع

ہوں گے ان کے لیے اور وُہ (کسی صُورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے اے انسانو! کھاؤ

مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ

اس سے جو زمین میں ہے حلال (اور) پاکیزہ (چیزیں) ۱۹۱ اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ رکھو

رول دے وُہ "انداد" سے ہے۔ خواہ وُہ بُت ہوں، گمراہ رئیس ہوں، مال و دولت ہو، فرزند و زن ہوں یا علم و فن ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے والی ہو وُہ "ند" ہے اور پاش پاش کر دینے کے لائق۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم سے ہمیں جو عشق و عقیدت ہے اور اولیاء کرام سے ہمیں جو محبّت ہے وُہ صرف اس لیے ہی تو ہے کہ وُہ محبُوبانِ خُدا ہیں اور محبُوب کا محبُوب بھی محبُوب ہوا کرتا ہے۔ جو اپنے دِل میں اللہ تعالیٰ کے محبُوب رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کے لیے محبّت محسُوس نہیں کرتا وُہ یہ سمجھ لے کہ اُسے اللہ تعالیٰ سے بھی محبت نہیں۔

۱۹۱ آج کی ترقی یافتہ دُنیا میں کھانے اور استعمال کی چیزوں میں صفائی کا اہتمام کیا جانے لگا ہے لیکن حلال و حرام کی تمیز اب بھی نہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دونوں باتوں کے اہتمام کا حکم دیا۔ یعنی ظاہری طور پر بھی غلیظ اور گندی نہ ہوں تاکہ جسمانی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے اور باطنی طور پر بھی نجس اور پلید نہ ہوں تاکہ ضمیرِ انسانی دم نہ توڑ دے۔ ظاہری صفائی کو قرآن نے طیّب کے لفظ سے اور حقیقی پاکیزگی کو حلال کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور حلال اُس چیز کو کہتے ہیں کہ نہ تو ذاتی طور پر حرام ہو۔ جیسے حرام جانور، مُردار، شراب وغیرہ اور نہ ایسے طریقوں سے حاصل کی گئی ہو جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے مثلاً چوری، جوا خواہ وُہ کلبوں میں ہو۔ رشوت، سُود وغیرہ وغیرہ

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَ

بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو حکم دیتا ہے تمہیں فقط بُرائی اور بے حیائی کا اور

اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا

یہ کہ بہتان باندھو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں ۱۹۲؎۔ اور جب کہا جاتا ہے ۱۹۳؎ ان سے پیروی

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ

کرو اس کی جو نازل فرمایا ہے اللہ نے تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو۔ اگرچہ

كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ اور مثال ان کی ۱۹۴؎

اسلامی نظامِ معاشیات کا یہ ایک بنیادی اصول ہے۔ کسبِ معاش کے لیے کھلی چھٹی نہیں بلکہ تمام وہ راستے بند کر دیئے ہیں جن میں کسی کی کمزوری، مجبوری اور ناداری سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔ آپ خود سوچیں جب سود، جوا، رشوت اور بلیک مارکیٹنگ وغیرہ کے چور دروازے بند ہو جائیں تو کیا دولت سکڑ کر صرف چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جائے گی! دولت کی ناجائز تقسیم بلکہ لوٹ کھسوٹ جن معاشی، اخلاقی اور سیاسی خرابیوں کو جنم دیتی ہے وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ کاش ہم اس الٰہی نظام کو خود سمجھتے۔ سنجیدگی سے اس پر عمل کر کے دکھاتے تاکہ دوسری قوموں کو سمجھا سکتے۔

۱۹۲؎ شیطان تمہیں بدکاری اور بدمعاشی کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تمہارے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتا ہے۔ اگر تم اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کا قصد کرو تو وہ تمہیں معاشی بدحالی اور بین الاقوامی بدنامی کے موہوم خطرات سے ڈراتا ہے۔ ایسے بدخواہ کے چکموں میں آ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔

۱۹۳؎ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی واضح آیات چھوڑ کر اپنے گمراہ باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں ان پر حسرت و افسوس کا اظہار ہے۔ اور اگر آباؤ اجداد سراپا رشد و ہدایت ہیں تو ان کا اتباع عین مقصود ہے اور انبیاء کی یہی سنت ہے۔ یوسف صدیق علیہ السلام نے مصر کے قید خانہ میں یہی فرمایا تھا۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْ میں اپنے آباؤ اجداد کے دین کا پیرو ہوں۔

۱۹۴؎۔ کفار کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جنہیں ہانکا جائے تو وہ ہانکنے والے کی آواز تو سنتے ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں۔

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ

جنہوں نے کفر (اختیار) کیا۔ ایسی ہے جیسے کوئی چلّا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا

یہ لوگ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ اے ایمان والو! کھاؤ

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر ادا کیا کرو اللہ تعالیٰ کا اگر تم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہو۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ

اُس نے حرام کیا ہے ۱۹۵ تم پر صرف مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور بلند کیا گیا ہو

بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام ۱۹۶ لیکن جو مجبور ۱۹۷ ہو جائے درآنحالیکہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (بقدرِ ضرورت کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں

۱۹۵ اِس میں چار چیزوں کا ذکر ہے جو حرام ہیں (۱) مُردار۔ وہ جانور جسے شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اس کی کسی چیز کا استعمال درست نہیں۔ اور ابُو بکر الجصاص نے تصریح کی ہے کہ شکاری کتّوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی منع ہے۔ ہاں چمڑا دباغت (رنگنے) کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ (۲) خونِ جاری (۳) خنزیر (۴) مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔

۱۹۶ مَیں نے اسکا ترجمہ کیا ہے" اور وہ جانور جس پر بلند کیا گیا ہو ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام" مَیں نے اس ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کا اتباع کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ آیت چار بار آئی ہے اور ہر جگہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہی ترجمہ کیا ہے اور مَآ اُهِلَّ کے لفظی ترجمہ میں" وقتِ ذبح" کی قید کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً آپ نے اِس آیت کا ترجمہ" وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیرِ خدا" کے الفاظ سے کیا ہے (فتح الرّحمٰن) اور تمام مفسّرین کرام نے اِس آیت کا یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ مَیں امام ابُو بکرؒ جصاص کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہُوں" وَلَاخِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الذَّبِيْحَةُ اِذَا اُهِلَّ بِهَا لِغَيْرِ اللّٰهِ عِنْدَ الذَّبْحِ" یعنی سب مُسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اِس سے مُراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے (مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہوں تفاسیر قرطبی، مظہری، بیضاوی، رُوح المعانی ابنِ کثیر وکبیر وغیرہا) بعض لوگ اِن چیزوں کو بھی حرام کہہ دیتے ہیں جن پر کسی وَلی یا نبی کا نام لے دیا جائے خواہ ذبح کے وقت اللہ کے نام سے ہی ذبح کیا جائے کیونکہ اس طرح مشرکین کے مشرکانہ عمل سے تشبیہ

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

بے شک اللہ تعالیٰ بہت گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنیوالا ہے۔ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں ۱۹۸ جو اللہ کی نازل کی ہوئی

الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓىِٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ

کتاب اور خرید لیتے ہیں اس کے بدلے حقیر سا معاوضہ۔ سو وہ نہیں کھا رہے اپنے

بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۚ

پیٹوں میں سوائے آگ کے اور بات تک نہ کریگا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ۱۹۹ اور نہ انکے گناہ بخش کر انہیں

ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اپنے بُتوں کے نام لے دیا کرتے تھے۔ لیکن اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے اس عمل کو مشرکین کے عمل سے ظاہری یا باطنی، صوری یا معنوی کسی قسم کی بھی مشابہت نہیں۔ کفّار جب ایسے جانوروں کو ذبح کرتے تھے تو اپنے بتوں کا نام لے کر ان کے گلے پر چھری پھیرتے وہ کہتے باسم اللّات والعزّیٰ۔ لات اور عزّیٰ کے نام سے ہم ذبح کرتے ہیں۔ اور مسلمان ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی کا نام لینا گوارا ہی نہیں کرتے۔ اس لیے ظاہری مشابہت نہ ہوئی۔ نیز کافر ان جانوروں کو ذبح کرتے تو ان بُتوں کی عبادت کی نیّت سے انکی جان تلف کرتے۔ کسی کو ثواب پہنچانا مقصود نہ ہوتا۔ اور مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت کی نیّت سے یا کسی کی خاطر ان کی جان تلف نہیں کرتے بلکہ ان کی نیّت یہی ہوتی ہے، کہ اس جانور کو اللہ کے نام سے ذبح کرنے کے بعد یا یہ کھانا پکانے کے بعد فقرا اور عام مسلمان کھائیں گے۔ اور اس کا جو ثواب ہوگا وہ فلاں صاحب کی رُوح کو پہنچے۔ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے عمل اور مشرکین کے طریقہ میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ ہاں اگر کوئی ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لے یا کسی غیر خدا کی عبادت کے لیے کسی جانور کی جان تلف کرے تو اس چیز کے حرام ہونے اور ایسا کرنے والے کے مشرک و مرتد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگر مقصد صرف ایصالِ ثواب ہو جیسے ہر کلمہ گو کا مقصد ہوا کرتا ہے تو اس کو طرح طرح کی تاویلات سے حرام کہنا اور مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ دیتے چلے جانا کسی عالم کو زیب نہیں دیتا۔ مفصل بحث سورہ النحل کی آیت ۱۱۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۷ یعنی اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو ان حرام چیزوں سے وہ بقدرِ ضرورت استعمال کر سکتا ہے

۱۹۸ یہود احکامِ الٰہی کو چھپاتے تھے۔ حضور کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے محامد و اوصاف جو تورات میں لکھے تھے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے اور چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی خواہش کے مطابق شریعت میں ردّ و بدل بھی کر لیتے تھے۔ خود بھی چشمۂ ہدایت سے سیراب نہ ہوتے اور دوسروں کو بھی سیراب نہ ہونے دیتے تھے۔ خود بھی گمراہ رہے اور دوسروں کے لیے بھی ہدایت کے دروازے بند رکھتے۔ یہ جرم کیونکہ بہت سنگین تھا اس لیے اس کی سزا بھی اتنی سخت رکھی گئی۔ فرمایا کہ یہ لذیذ لقمے جو رشوت لے کر تم اپنے حلق سے نیچے اتار رہے ہو یہ آگ کے نہ بجھنے والے انگارے ہیں ان کی سوزش کبھی ختم نہ ہوگی۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

پاک کریگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے عوض،

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

اور عذاب کو نجات کے بدلے (تعجب ہے) کس چیز نے اتنا صابر بنا دیا ہے انہیں آگ (کے عذاب) پر۔ یہ سزا اس وجہ سے ہوگی

اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ

کہ اللہ نے تو اُتاری کتاب حق کے ساتھ اور بیشک جو لوگ اختلاف ڈال رہے ہیں کتاب میں

لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ ربع ۲۱ع ۹ ۵

وہ دُور دراز کے جھگڑوں میں پھنسے ہیں نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نمازمیں) تم پھیرلو اپنے رُخ نمبر۲ مشرق کی

ف۱۹۹ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ جو رحمٰن و رحیم ہے ایسے لوگوں سے بات تک نہ کرے گا۔ ہر وہ شخص جس نے کبھی اخلاص و محبّت کا نام بھی سُنا ہو یہ سرزنش برداشت نہیں کر سکتا۔ مالکِ حقیقی، محبوبِ حقیقی ہمیشہ مہربانی فرمانے والا ہر وقت بے اندازعنایتیں فرمانے والا اپنی نگاہِ رحمت پھیر لے، اپنے کرم کا رُخ موڑ لے، اپنے خطابِ جاں پرور سے محروم کر دے اور دِل برداشت کر لے۔ وہ دِل نہ ہُوا پتھر ہُوا بلکہ پتھر سے بھی سخت تر اور فرو تر۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طفیل اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ ناراضگی سے بھی بچائے۔ آمین ۔ تیسری سزا یہ ہے کہ ان کے چہروں پر کتمانِ حق کی نجاست چسپاں رہنے دی جائے گی آبِ رحمت سے اسے دھویا نہیں جائے گا۔

ف۲۰۰ ہر دین میں بعض ظاہری اعمال ہوتے ہیں اور بعض حقیقی مقاصد کیونکہ ان ظاہری اعمال سے انسان دین کے حقیقی مقاصد تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے اس لیے اِن ظاہری اعمال کی بجاآوری نہایت ضروری ہوتی ہے۔ جب تک قوم دین کا دامن مضبوطی سے تھامے رہتی ہے۔ وہ اِن ظاہری اعمال اور حقیقی مقاصد دونوں کو پیشِ نظر رکھتی ہے اور دونوں کو یکساں اہمیت دیتی ہے لیکن جب دین کا ولولہ سرد پڑ جاتا ہے تو آہستہ آہستہ حقیقی مقاصد آنکھوں سے اوجھل ہونے لگتے ہیں اور قوم صرف ظاہری اعمال کی ادائیگی کو کافی سمجھنے لگتی ہے اور اِن ظاہری اعمال میں حقیقی مقاصد تک پہنچنے کا جذبہ دم توڑ چکا ہوتا ہے۔ اِس لیے وہ اعمال بے جان رُسوم ہو کر رہ جاتے ہیں اور غلط اندیش قوم انہیں رُسوم کی بجاآوری کو ہی سب سے بڑی نیکی شمار کرنے لگتی ہے اور حقیقی مقاصد سے یکسر غافل ہو جاتی ہے۔ مثلاً نماز اور روزہ اسلام کی بُنیادی عبادات میں سے ہیں لیکن حضور رحمت للعٰلمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نماز کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو نماز نمازی کو بدکاری سے باز نہ رکھ سکے فَلَمْ تَزِدْهُ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا (اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ) وہ نماز اسے خُدا سے اور زیادہ دُور کر دیگی۔ روزہ سے متعلق اِرشاد ہے مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

طرف اور مغرب کی طرف بلکہ [۱۵۰] نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روز

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ

اور (خرچ کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح ادا کیا کرے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنیوالے ہیں اپنے وعدوں کو

حَاجَةٌ فِىْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔ روزے دار اگر جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں اسی حقیقت کو کھول کر بیان فرمایا گیا ہے تاکہ اُمّتِ مُسلمہ پہلی امتوں کی طرح چند ظاہری اعمال پر ہی قانع نہ ہو جائے اور نیکی اور طاعت کو انہی میں منحصر نہ سمجھ بیٹھے۔ صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ لیس البر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مقررہ سمت کی طرف مُنہ کرنا نیکی اور طاعت ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی صرف اسی میں منحصر نہیں یہ بھی نیکی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی نیکی اور اطاعت کے کام ہیں جو حقیقی مقاصد ہیں اور تمہاری توجہ کے زیادہ مستحق ہیں

[۱۵۰] سابقہ غلط فہمی کو دُور کرنے کے بعد بڑی وضاحت اور خاص ترتیب سے اسلام کے جملہ حقیقی مقاصد بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ اسلام کی ساری تعلیم ان چار عنوانوں کے نیچے درج کی جا سکتی ہے۔ ۱۔ عقائد ۲۔ معاملات۔ ۳۔ عبادات۔ ۴۔ اخلاق من آمن سے لیکر والنَّبِيّٖنَ تک عقائدِ اسلامیہ کا ذکر فرمایا آتی المال سے وفی الرقاب تک معاملات کا بیان ہوا۔ اقام الصَّلٰوة وآتی الزکوة سے اسلامی نظامِ عبادات کے دو اہم ترین رکن نماز و زکوٰۃ بتائے گئے۔ اس کے بعد اسلام جس ضابطۂ اخلاق کی پابندی کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے اس کی وضاحت کر دی گئی۔ کاش ایسا مکمل اور لاثانی دستورِ حیات رکھنے والی اُمّت اس پر عمل کرنے کی ضرورت کو بھی محسوس کرے تو وہ اپنے آپ میں اور اپنے گرد و پیش میں ایک واضح انقلاب محسوس کرنے لگے ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود ❊ جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود (اقبالؒ)

اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ

جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں ۲۰۲ جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

یہی لوگ ہیں جو راستباز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیزگار ہیں ۔ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ

فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص ۲۰۳ جو (ناحق) مارے جائیں ۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے

بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ

بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ، پس جس کو ۲۰۴ معاف کی جائے اسکے بھائی ۲۰۵ (مقتول کے وارث) کیطرف سے

۲۰۲ قاعدہ کے مطابق والصّابرون ہونا چاہیئے لیکن خلیل امام نحو نے کہا کہ یہاں الصّابرین منصوب علی المدح ہے اس لیے اِس معنی مدح کو جو قرآن کا مدلول ہے ترجمہ میں ظاہر کرنا ازحد ضروری ہے اسی لیے میں نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ واللہ الموفق

۲۰۳ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ اگر طاقتور قبیلے کا کوئی شخص قتل کر دیا جاتا تو وہ صرف قاتل کے قتل پر اکتفا نہ کرتے بلکہ قاتل کے قبیلہ کے دس دس بیس بیس آدمی قتل کرنا اپنا حق سمجھتے ۔ اگر کسی آزاد کو غلام قتل کر دیتا تو غلام کے بدلے غیر قاتل آزاد کا سر قلم کیا جاتا اور اگر عورت قتل کرتی تو مرد قتل کیا جاتا ۔ اسی ظالمانہ اور غیر اسلامی دستور پر صدیوں عمل ہوتا رہا ۔ اور عرب اپنی نسلی نخوت اور قبائلی برتری کی تسکین بے گناہوں کا خون بہا بہا کر کرتے رہے۔ قرآنِ کریم نے اس دستور کو یک قلم منسوخ کر دیا ۔ اور حکم دیا کہ مقتول کا قاتل ہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام ۔ یہ رواج صرف عرب میں ہی نہ تھا بلکہ دوسری قوموں میں بھی تھا بلکہ آج تک یورپ کی حکمران قومیں بھی اِس پر عمل پیرا رہی ہیں ۔ جنوبی افریقہ کے حبشی، آسٹریلیا کے اصلی باشندے اور امریکہ کے ریڈ انڈین آج بھی اس پر شاہد ہیں ۔ یہ فخر اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اِس نے جھوٹے امتیازات کے بُت مدّت ہُوئی پاش پاش کر دیئے اور انسانی مساوات کا صرف قانون ہی پیش نہیں کیا بلکہ عمل کر کے دکھا دیا۔

۲۰۴ . قانونِ قصاص میں ایک اور اہم تبدیلی کی جا رہی ہے ۔ وہ یہ کہ اگر مقتول کے وارث قاتل سے صلح کرنا چاہیں تو وہ خوں بہا لے کر صلح کر سکتے ہیں ۔ آج کل کے قانون میں قتل کا جُرم صلح کے قابل نہیں جس سے بہت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ اسلام نے اِن خرابیوں کا احساس کرتے ہوئے صلح کی اجازت دیدی ۔

۲۰۵ ۔ مِن اخیہ کا لفظ بڑی شان رکھتا ہے ۔ ایسی حالت میں جبکہ قاتل قتل کا ارتکاب کر چکا ہے ۔ محبّت ، پیار، رحم

فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

کچھ چیز تو چاہیئے ۲۰۶ کہ طلب کرے (مقتول کا وارث) (خون بہا) دستور کے مطابق اور (قاتل کو چاہیئے) کہ اسے ادا کرے اچھی طرح - یہ رعایت ہے ۲۰۷

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

تمہارے ربّ کی طرف سے اور رحمت ہے - تو جس نے زیادتی کی ۲۰۸ اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

ہے - اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو ۲۰۹ تاکہ تم (قتل کرنے سے)

اور شفقت کے تمام رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔ عداوت اور انتقام کی آگ بھڑکنے لگی ہے۔ قرآن مقتول کے غضبناک وارثوں کو یاد دلاتا ہے کہ قاتل مجرم ہے، قصور وار ہے اور تمہارا غصہ بے جا بھی نہیں ۔ تاہم تمہارا اسلامی بھائی تو ہے۔ اگر بخش دو معاف کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل پھر جُڑ جائیں ۔ اور اسلامی معاشرے کے دامن میں جو چاک پڑ گیا ہے اسے پھر سے سی دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی پاک کلام کی یہی لطافتیں تھیں جنہوں نے عرب کے سرکشوں کو مطیع بنا دیا تھا۔

۲۰۶ مقتول کے وارثوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ جس بھائی پر تم نے اتنا احسان کیا اب اس سے خوں بہا اس حسن طریقہ سے طلب کرو کہ اسے تکلیف نہ ہو۔ اور قاتل کو ہدایت فرمائی کہ وہ احسان فراموش نہ بنے بلکہ خوشی خوشی جلدی جلدی خون بہا ادا کرے۔

۲۰۷ قتل کی سزا قتل ہی تو مقرر نہیں فرمائی بلکہ خوں بہا ادا کرنے کی بھی گنجائش رکھی ہے۔ یہ محض تمہارے ربّ کا تم پر احسان ہے۔

۲۰۸ تصفیہ کے بعد بھی جو زیادتی کرے گا۔ قاتل ہو یا مقتول کے رشتہ دار اسے دردناک سزا دی جائے گی۔ ہر ایک کو قانون کا احترام اور اس کی پابندی کرنا چاہیئے۔ اسی لیے شریعتِ اسلامیہ نے قصاص لینے، حدود قائم کرنے اور تعزیرات لگانے کا حق افراد کو نہیں دیا بلکہ صرف حکومتِ وقت کو دیا ہے کیونکہ عدل و انصاف قائم رکھنے کی صرف یہی صورت ہے۔ اگر افراد کو یہ حق مل جائے تو وہ افراتفری پیدا ہو کہ الامان !

۲۰۹ ۔ اس آیت کریمہ میں قانونِ قصاص کی علت اور حکمت بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی اگر بے گناہ قتل کرنے والے کو سزا نہیں دی جائے گی تو اس کا حوصلہ بڑھے گا۔ اور مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ بھی نڈر ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے۔ لیکن اگر قاتل کو اس کے جرم کے بدلے قتل کر دیا گیا تو دوسرے مجرم بھی اپنا بھیانک انجام دیکھ کر باز آجائیں گے۔ اور اس طرح ایک قاتل کے قتل کرنے سے بے شمار معصوم جانیں قتل و غارت سے بچ جائیں گی۔ آج بعض ملکوں میں قتل کی سزا منسوخ کر دی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سزا ظالمانہ اور بہیمانہ ہے۔ مقتول تو قتل ہو چکا، اب اس کے عوض ایک دوسرے آدمی کو تختہ دار پر لٹکا دینا بے رحمی نہیں تو کیا ہے۔ آپ خوفناک حقائق کو دلکش عبارتوں سے حسین بنا سکتے ہیں لیکن نہ آپ ان کی حقیقت کو بدل سکتے ہیں اور نہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ

پرہیز کرنے لگو۔ فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آجائے تم میں سے کسی کے موت ۔ بشرطیکہ چھوڑے

خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

کچھ مال ۲۱۵۔ کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ

ضروری ہے پرہیزگاروں پر ۔ پھر جو بدل ڈالے اس وصیّت کو سُن لینے کے بعد تو اس کا گناہ اُنہیں

عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ

بدلنے والوں پر ہوگا ۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے ۔ اور جسے اندیشہ ہو

ان کے بُرے نتائج کو رُونما پذیر ہونے سے روک سکتے ہیں ۔جس مُلک کے قانون کی آنکھیں ظالم قاتل کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کر پُرنم ہوجائیں وہاں مظلوم و بے کس کا خدا ہی حافظ، وہ اپنے آغوش میں ایسے مجرموں کو ناز ونعم سے پال رہا ہے جو اس کے چمنستان کے شگفتہ پھولوں کو مسل کر رکھ دیں گے ۔ وہ دین جو دینِ فطرت ہے ، جو ہر قیمت پر عدل و انصاف کا ترازو برابر رکھنے کا مدعی ہے اس سے ایسی بے جا بلکہ ناز یبا نازبرداری کی توقع عبث ہے ۔

۲۱۵ ان آیاتِ کریمہ سے عرب کے ایک اور جاہلانہ رواج میں اصلاح فرمائی ۔ اہلِ عرب کا یہ دستور تھا کہ مرتے وقت اپنے مال کی وصیّت ایسے لوگوں کے نام کر جاتے جن سے ان کا دُور کا واسطہ بھی نہ ہوتا ۔ اور اپنے زعم باطل میں اسے سخاوت سے تعبیر کرتے ۔ اور اگر کوئی وصیت کیے بغیر مرجاتا تو وراثت صرف اولاد اور بیوی میں بٹ جاتی ۔ والدین اور دُوسرے رشتہ دار بالکل محروم رہتے ۔ یہ دونوں صُورتیں کیونکہ ظلمِ صریح تھیں اس لیے قرآنِ حکیم نے اس کی اصلاح فرمادی لیکن یک لخت سارے سابقہ نظام کو درہم برہم نہیں کیا بلکہ آہستہ آہستہ اصلاح فرمائی تاکہ طبیعتوں میں بے چینی بھی پیدا نہ ہو اور اصلاح کا مقصد پُورا ہوجائے اس لیے اس سے پہلے کہ وراثت کی تقسیم کا منظم و مکمّل قانون نافذ کیا جاتا انہیں ان آیات میں وصیّت کا حکم دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیّت کریں اور ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصّہ دیدیں ۔ لیکن اتنے اہم کام کو عوام کی مرضی اور صرف ان کے رحم و کرم پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا اس لیے کچھ مدّت کے بعد سُورہ النساء میں وراثت کے احکام بالتفصیل بیان فرمادیئے ۔ حضُور کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے احکامِ وصیّت اور احکامِ وراثت کی وضاحت فرماتے ہوئے دو قاعدے بیان کیے ۔ پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ ان رشتہ داروں کے لیے وصیت کی ممانعت کردی جو وراثت میں حصّہ دار ہیں ۔ دوسرا قاعدہ ہے کہ وصیّت

مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

وصیت کرنے والے سے کسی طرفداری یا گناہ کا پس وہ صلح کرا دے ان کے درمیان تو کچھ گناہ نہیں اس پر

۲۲ ع ۶ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

روزے[۲۱۱] جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پرہیزگار بن جاؤ[۲۱۲]

کو مالِ متروکہ کے تیسرے حصّے تک محدود فرما دیا۔ ⅓ حصّہ تک اپنے غیر وارث رشتہ داروں یا دُوسرے مستحق لوگوں یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کر سکتا ہے۔ اِسلام کا یہ وہ حکیمانہ اور متوازن نظام ہے جس پر مسلمانوں کو بجا طور پر نازاں ہونا چاہئے۔ بعض لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عائد کردہ اِن پابندیوں کو اپنی کم فہمی سے خلافِ قرآن کہتے ہوئے ماننے سے انکار کرنے لگے ہیں۔ لیکن اگر وہ ذرا تامّل کریں تو اُنہیں معلوم ہو جائے کہ اگر یہ پابندیاں اُٹھا دی جائیں تو آپ کا نظامِ وراثت بازیچۂ طفلاں بن کر رہ جائے۔

(مزید تحقیق کے لیے احقر کی تالیف سُنّتِ خیر الانام (صفحہ ۲۵۷ تا ۲۷۳) ملاحظہ ہو۔ تمام شکوک و شبہات کا مفصل جواب درج ہے)

۲۱۱؎ صیام جمع ہے۔ اِس کا مفرد ہے صَوم۔ لغت میں صوم کا معنی ہے **الامساك عما تنازع اليه النفس**۔ اس چیز سے باز رہنا جس کی طرف نفس کشش محسوس کرتا ہو۔ اور شریعت میں صوم کہتے ہیں کہ اِنسان عبادت کی نیت سے صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور عملِ زوجیت سے رُکا رہے۔ یہ حکم ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا۔ پہلی اُمتوں پر بھی روزے فرض تھے۔ گو اِن کی تعداد اور کیفیت الگ تھی۔

۲۱۲؎ روزے کا مقصدِ اعلیٰ اور اِس سخت ریاضت کا پھل یہ ہے کہ تم مُتّقی اور پاکباز بن جاؤ۔ روزے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ ان تینوں باتوں سے پرہیز کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمام اخلاقِ رذیلہ اور اعمالِ بد سے اِنسان مکمل طور پر دستکش ہو جائے۔ تم پیاس سے تڑپ رہے ہو، تم بھوک سے بیتاب ہو رہے ہو۔ تمہیں کوئی دیکھ بھی نہیں رہا۔ ٹھنڈے پانی کی صراحی اور لذیذ کھانا پاس رکھا ہے لیکن تم ہاتھ بڑھانا تو کجا آنکھ اٹھا کر اُدھر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اِس کی وجہ صرف یہی ہے نا کہ تمہارے رب کا یہ حکم ہے! اب جب حلال چیزیں اپنے ربّ کے حکم سے تم نے ترک کر دیں تو وہ چیزیں جن کو تمہارے ربّ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا ہے (چوری، رشوت بددیانتی وغیرہ) اگر یہ مراقبہ پختہ ہو جائے تو کیا تم ان کا ارتکاب کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ مہینہ بھر کی اس مشق کا مقصد یہی ہے کہ تم سال کے باقی گیارہ ماہ بھی اللہ سے ڈرتے ہوئے یُونہی گزار دو۔ جو لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں لیکن جھوٹ، غیبت، نظربازی وغیرہ سے باز نہیں آتے۔ ان کے متعلّق حضورِ پُرنور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے واضح الفاظ میں فرما دیا۔ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ

یہ گنتی کے چند روز ہیں ۔ پھر جو تم میں سے بیمار ہو ۲۱۳؎ یا سفر میں ہو تو اتنے

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ

روزے اور دنوں میں رکھ لے ۔ اور جو لوگ ۲۱۴؎ اسے بہت مشکل سے ادا کر سکیں ان کے ذمّہ فدیہ ہے

مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ

ایک مسکین کا کھانا ۔ اور جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے ۔ اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ

تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ۔ ماہِ رمضان المبارک جس میں اُتارا گیا

وَالعمل بہ فلیس للّٰہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ ۔ یعنی جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا اگر اس نے کھانا پینا ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں ۔

۲۱۳؎ مریض اور مسافر کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا ۔ مریض سے مُراد وہ شخص ہے کہ اگر روزہ رکھے تو اس کی ہلاکت یا اس کے مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو اور سفر سے مراد احناف کے نزدیک ۳ روز کا سفر ہے جس کا اندازہ ۳۶ کوس یا ۵۴ میل ہے ۔ خواہ آپ اتنی مسافت آج ایک گھنٹہ میں طے کریں آپ کو افطار کی اجازت ہے ۔ بیماری اور سفر سے جتنے روزے آپ نہ رکھ سکیں تو صحتیاب ہونے اور سفر سے واپس آنے پر اُن کی قضا دینا ہوگی ۔ مریض اور مُسافر کو افطار کی اجازت ہے لیکن روزہ رکھنا افضل ہے ۔ حضور کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سفر میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی نہیں رکھا ۔ لیکن سفرِ جہاد میں روزے کے افطار کا حکم ہے فتح مکّہ کے موقع پر حضورؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا انہ یوم قتال فافطروا ۔ آج جنگ کا دن ہے روزے افطار کرو ۔

۲۱۴؎ اس آیت میں علمار تفسیر کا اختلاف ہے ۔ اکثر کی رائے تو یہ ہے کہ ابتدا میں جب روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کی آسانی کے پیش نظر یہ گنجائش رکھی گئی کہ اگر کوئی روزے نہ رکھے تو وہ فدیہ ادا کرے ۔ بعد میں جب لوگ روزے کی لذّت و برکت سے آشنا ہوگئے تو یہ رعایت واپس لے لی گئی ۔ اور عام حکم دے دیا گیا ۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ۔ نفاذ شریعت میں جس تدریج کو ملحوظ رکھا گیا ہے ۔ یہ قول اس کے عین مطابق ہے ۔ لیکن بعض علمار کی رائے یہ ہے کہ یطیقون کا معنی ہے کہ جو لوگ بڑی ہی مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ فدیہ ادا کریں ۔ مثلاً بوڑھا ، دائم المریض ۔ حاملہ عورت ، دُودھ پلانے والی ۔ ان کے لیے یہ رعایت دی گئی ہے ۔ اور یہ رعایت آج بھی بحال ہے ۔

الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ

قرآن ۲۱۵ اس حال میں کہ یہ راہِ حق دکھاتا ہے لوگوں کو اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی۔ سو جو

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلٰى

کوئی پائے ۲۱۶ تم میں سے اس مہینہ کو تو وہ یہ مہینہ روزے رکھے۔ اور جو کوئی ۲۱۷ بیمار ہو، یا

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ

سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا ۲۱۸

۲۱۵ پہلی آیت میں روزہ رکھنے کی حکمت بیان کی گئی تھی۔ کہ تم متقی بن جاؤ۔ اب اس بات کی حکمت بیان کی جارہی ہے کہ ماہِ رمضان اس عبادت کے لیے کیوں مخصوص کیا گیا۔ بتایا کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآنِ کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ وہ قرآن جو کسی خاص قوم یا ملک کے لیے نہیں بلکہ ھدًی لِلناس تمام اولادِ آدم کے لیے ہادی و مُرشد ہے۔ اور اس کی ہدایت کی روشنی اتنی کھلی ہے کہ حق اور باطل بالکل ممتاز ہوجاتے ہیں۔ جس ماہ میں اتنی بڑی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہو وہ ماہ اس قابل ہے کہ اس کا ہر لمحہ ہر لحظہ اپنے محسنِ حقیقی کی شکر گزاری میں صرف کر دیا جائے۔ اور اس نعمت کی شکر گزاری کی بہترین صورت یہی ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے۔ رات کو قرآن پڑھا اور سنا جائے تاکہ اس ماہ میں نفس کی ایسی تربیت ہوجائے کہ وہ اس بارِ امانت کو اچھی طرح اٹھا سکے۔ اس آیت کا آخری حصہ لعلکم تشکرون اغلباً اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

۲۱۶ علامہ قرطبی لکھتے ہیں فزالت الرخصة الا لمن عجز منهم پہلے حکم میں روزہ کی بجائے فدیہ دینے کی جو رعایت دی گئی تھی وہ اس آیت سے ختم ہوگئی۔ شہود سے دیکھنا اور جاننا دونوں مُراد ہیں۔ یعنی خواہ وہ خود دیکھے یا صحیح طریقہ سے اس کا دیکھا جانا معلوم ہو جائے تو روزہ رکھنا فرض ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اختلاف مطالع ایک مسلّمہ مسئلہ ہے۔ اس لیے فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر دُور دراز علاقہ میں چاند دیکھا جائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اِن البلاد اِذ تباعدت کتباعد الشام من الحجاز فالواجب علیٰ اهل کل بلد ان تعمل علیٰ رُؤیته دون رویة غیره۔ (قرطبی) قمری سال کا مہینہ مقرر فرمایا کیونکہ یہ سال کے مختلف موسموں میں پھرتا رہتا ہے۔ تاکہ مسلمان سردی گرمی سب موسموں میں بھوک پیاس کی شدّت برداشت کرنے کے عادی ہوجائیں۔

۲۱۷ کیونکہ فدیہ کی رعایت واپس لے لی گئی تھی اس سے گمان ہوسکتا تھا کہ مریض اور مسافر کے لیے افطار کی جو اجازت دی گئی تھی شاید وہ بھی ساقط کر دی گئی ہو۔ اس لیے اس کو واضح کیا کہ نہیں وہ رخصت بحال ہے۔

۲۱۸ یعنی احکامِ شرعیہ تعزیری احکام نہیں جن سے کسی کو تنگ کرنا اور تکلیف دینا مقصود ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا منشا ان سے تمہاری آسانی اور اصلاح کرنا ہے۔ اس ٹکڑے میں گویا احکامِ شرعیہ کی روحِ رواں کا ذکر فرما دیا۔

بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

تمہارے لیے دشواری اور (چاہتا ہے کہ) تم گنتی پوری کر لیا کرو۔ اور اللہ کی بڑائی بیان کیا کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط

دی اور تاکہ تم شکر گزاری کیا کرو۔ اور جب پوچھیں ۲۱۹ آپ سے اے میرے حبیب! میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ

ہوں۔ قبول کرتا ہوں دُعا ۲۲۰ دُعا کرنیوالے کی جب وہ دُعا مانگتا ہے مجھ سے پس انہیں چاہیئے کہ میرے حکم مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر

۲۱۹ کتنی پیاری آیت ہے، ہجوم بلاہیں، طوفانِ مصائب میں، گرداب ہلاکت میں گھرے ہوئے شکستہ دل اور پریشان انسان کے لیے ان چند لفظوں میں اطمینان وسکون کا کیا رُوح پرور پیغام ہے۔ آپ غور فرمایئے۔ اِنِّیْ قَرِیْبٌ کے دو لفظوں میں راحت و اطمینان کی ایک دُنیا سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ کسی فصلِ بہار کی نسیمِ سحر میں، کسی ابرِ نیساں کے حیات بخش قطروں میں وہ اثر کہاں جو اثر ان دو لفظوں میں ہے! دُکھ درد کا مارا جب یہ سُنتا ہے کہ میرا مالک، میرا خالق مجھ سے الگ تھلگ کہیں دُور نہیں کہ اسے میرے حال کا علم نہ ہو۔ رنج والم کی خبر نہ ہو بلکہ وہ قریب ہے، بالکل قریب، نزدیک ہے، رگِ جاں سے بھی زیادہ نزدیک تو اسے کتنا قرار آجاتا ہے۔ تمہاری زبان پر آئی ہوئی بات تو کیا تمہارے دل میں مُنہ چھپائے ہوئے اسرار جو قوتِ گویائی کو اپنا چہرہ دکھانے سے شرماتے ہیں۔ افکار و اندیشوں کے وُہ نازک و لطیف آبگینے جو ہوائی صوتی لہروں کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ان سب کو وہ جانتا ہے۔ وہ قادر بھی ہے رحمٰن و رحیم بھی تم دستِ دُعا دراز تو کرو۔ تم دامنِ طلب پھیلا کر تو دیکھو تم دل کے ہاتھوں سے اُس کے درِ رحمت پر دستک تو دو، وہ سُنے گا تمہاری فریاد۔ وہ قبول کریگا تمہاری دُعا۔ وہ بدل دے گا تمہاری بگڑی ہُوئی قسمت۔ لیکن جب وہ کرم فرمائے تو سرکش نہ بن جانا۔ اسی طرح سرِ نیاز اُس کے درِ اقدس پر جھکائے رکھنا۔ اسلام قبول کرنے پر جو ذمہ داریاں تم نے قبول کی تھیں۔ جو عہد تم نے باندھا تھا ان کو نباہتے رہنا۔ رُشد و ہدایت پاجاؤ گے کامیاب و کامران ہو جاؤ گے۔

۲۲۰ ممکن ہے یہاں پر کسی کو شک گزرے کہ بسا اوقات دُعا کرتے کرتے سالہا سال گزر جاتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی۔ اس کی ایک بڑی وجہ رحمتِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بیان فرمائی ہے۔ اِنه صلّی الله تعالىٰ عليهِ وآلهٖ وسلّم ذكر الرجل يطيل السفر يمد يده الى السّماء يارب اشعث اغبر مطعمه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام فانّٰى يستجابُ لِذٰلِكَ (رواہ مسلم) حضورؐ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ دُور دراز کا سفر کرتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگتا ہے۔ بال اسکے پریشان، جسم اس کا گرد آلود۔ اس کا کھانا لباس سب حرام کمائی سے ہے۔ اس کے پیٹ میں جو غذا ہے وہ بھی حرام ہے (تو وہ لاکھ پکارے اور دُعائیں کرے) ایسے حرام خور کی دُعا کب قبول ہونے کے لائق ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو فرمایا تھا

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى

تاکہ وہ کہیں ہدایت پا جائیں۔ حلال ۲۲۱ کردیا گیا ہے تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی

نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ

عورتوں کے پاس جانا۔ وہ ۲۲۲ تمہارے لیے پردہ، زینت و آرام ہیں اور تم ان کے لیے پردہ، زینت و آرام ہو۔ جانتا ہے اللہ تعالیٰ

اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ

کہ تم خیانت کیا کرتے تھے اپنے آپ سے پس اس نے نظر کرم فرمائی تم پر اور معاف کردیا تمہیں،

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا

سو اب تم ان سے ملو ملاؤ اور طلب کرو جو (قسمت میں) لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے اور کھاؤ اور پیئو

کہ اگر چاہتے ہو کہ تمہاری ہر دُعا قبول ہو تو رزق حلال کھایا کرو۔ دُعا کی قبولیت کی ان شرائط کو ہم نے فراموش کردیا۔ بلکہ ہم نے تو حلال و حرام میں فرق کرنے کی زحمت بھی کبھی گوارا نہیں کی۔ اگر ہماری دُعائیں قبول نہ ہوں تو جائے تعجب نہیں بلکہ تعجب و حیرت تو اس کی رحمتِ بے پایاں پر ہے کہ پھر بھی وہ فریادیں سُن لیتا ہے۔

۲۲۱ ابتدا میں دن کی طرح رات کو بھی عورتوں سے علیحدہ رہنے کا حکم تھا۔ لیکن بعد میں تخفیف کردی گئی اور رات کو مقاربت کی اجازت دے دی گئی۔ ان گنت سلام اور بے شمار درود اس ذاتِ پاک پر جو رحمت بن کر آیا تھا۔ رحمت لے کر آیا تھا۔ رفث ایک جامع لفظ ہے جو میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کے سارے درجوں کو شامل ہے۔ قال الزجاج الرفث کلمۃ جامعۃ لکل ما یرید الرجل من امرأتہ (قرطبی)

۲۲۲ آیت کا یہ حصہ خاص توجہ طلب ہے۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کو انتہائی خوش اسلوبی سے بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی جیسے وہ تمہارے لیے لباس ہیں ویسے ہی تم ان کے لیے لباس ہو۔ اس لحاظ سے دونوں کے حقوق اور فرائض مساوی ہیں۔ پھر لباس کی تعبیر کتنی معنی خیز ہے۔ مختصر الفاظ میں لباس پردہ ہے۔ ہر عیب کو چھپاتا ہے۔ زینت ہے حسن و جمال کو نکھارتا ہے۔ راحت ہے سردی و گرمی سے بچاتا ہے۔ کیا ایک اچھی بیوی اپنے خاوند کے لیے اور ایک اچھا خاوند اپنی بیوی کے لیے پردہ، زینت اور راحت نہیں؟ یقیناً ہے۔ جس ملت کے ہر گھر میں زوجیت کا یہ بلند تصوّر اور اعلیٰ معیار ہو اس کے لیے یہ دُنیا جنت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسلام پر یہ اعتراض کرنے والے کہ اس نے عورت کے حقوق کو پامال کردیا ہے۔ اگر آیت کے اسی حصہ پر نظر ڈالیں تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوجائے گا۔ ہاں اسلام نے ملتِ ابراہیمی کی بیٹیوں کے چہروں سے شرم و حیا کا نقاب نوچنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے عورت کو محفلِ رقص و سرود کی زینت بننے کی

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ

یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے ۲۲۳ صبح کے

الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ

وقت پھر پورا کرو ۲۲۴ روزہ کو رات تک اور نہ مباشرت کرو ان سے ۲۲۵ جب کہ

عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ

تم اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں یہ اللہ کی حدیں ہیں ان (کو توڑنے) کے ۲۲۶ قریب بھی نہ جانا۔ اسی طرح

اجازت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مستقل دین ہے۔ اس کا اپنا نظام، اپنا قانون اور اپنا ضابطہ حیات ہے اور اس کے استقلال کی یہی علامت ہے کہ وہ ہر حالت میں اسی ضابطے کا پابند رہے۔ کسی کو پسند آئے یہ بات یا نہ۔ کوئی خوش ہو یا ناخوش۔ اسلام کو ہر دلعزیز بنانے اور اسے تہذیب مغرب سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس کے سادہ لوح بہی خواہوں نے اس کے فطری خد و خال میں جس وقت قطع و برید گوارا کر لی اس دن اسلام بحیثیت ایک مستقل ضابطہ حیات کے ہم سے چھن جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اس روز بد سے بچائے۔

۲۲۳ اس سے مراد صبح صادق کا طلوع ہے یعنی وہ روشنی جو دائیں بائیں پھیلتی ہے قال الجمہور ذالك الفجر المعترض فی الافق یمنۃ ویسرۃ (قرطبی) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا یا رسول اللہ! کیا خیط ابیض اور خیط اسود سے سفید اور سیاہ دو تاگے مراد ہیں۔ حضور نے فرمایا: لا بل ھو سواد اللیل وبیاض النھار نہیں بلکہ اس سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی روشنی ہے۔ اور لغت عرب میں خیط کا لفظ لون کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ والخیط فی کلامھم عبارۃ عن اللون۔ (قرطبی)

۲۲۴ پہلے روزے کی ابتدا کا وقت بتایا اب اس کے اختتام کا وقت بتایا جا رہا ہے۔ صبح صادق سے لے کر رات آنے تک روزہ رکھو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اپنے اس ارشاد سے وضاحت فرما دی اذا ادبر النھار من ھھنا واقبل اللیل من ھھنا جب ادھر (مغرب) سے دن پیٹھ پھیر دے اور ادھر (مشرق) سے رات آجائے وہ وقت ہے افطار کا۔ بعض لوگ روزہ کے افطار میں اتنی جلدی کرنے لگے ہیں کہ سورج بھی صحیح طور پر غروب نہیں ہوتا کہ وہ افطار کا نقارہ بجا دیتے ہیں۔

۲۲۵ اگر کوئی معتکف ہو تو اسے رات کو بھی اپنی بیوی سے مقاربت جائز نہیں۔

۲۲۶ یعنی اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑ کر آگے نکل جانے کا تو خیال ہی مت کرو۔ تمہاری سلامتی اور بھلائی اسی میں ہے ان کے نزدیک تک مت جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ مشتعل جذبات کی رو تمہارے قدم حدود کے پاس جمنے ہی نہ دے اور تم بے بس اور بے اختیار

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ

بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کرلیں - اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ

آپس میں ۲۲۷ ناجائز طریقہ سے اور نہ ۲۲۸ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دیکر) حاکموں تک تاکہ یوں کھاؤ کچھ حصہ ۲۲۹

ہو کر بہتے ہوئے چلے جاؤ۔ اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

۲۲۷ اسلامی نظامِ معاشیات کا ایک اور قاعدہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ناجائز طریقہ سے لوگوں کے مال نہ کھاؤ۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں من اخذ مال غیرہ لاعلیٰ وجہ اذن الشرع فقد اکل بالباطل - وہ شخص جس نے ایسے طریقے سے مال حاصل کیا جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی تو اس نے باطل ذریعہ سے کھایا - فیدخل فیہ القمار والخداع والغصوب وجحد الحقوق و مالا تطیب بہ نفس مالکہ: ترجمہ۔ اس میں جوا، دھوکہ دہی، زبردستی چھین لینا کسی کے حقوق کا انکار اور وہ مال جسے اس کے مالک نے خوشی سے نہیں دیا۔ سب اکلِ باطل میں شامل ہیں۔ علّامہ قرطبیؒ نے یہ تصریح بھی کی ہے، اگر کوئی شخص رشوت دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹی گواہیاں دلوا کر اپنے حق میں فیصلہ کرالے تو قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرسکتا۔ فالحرام لایصیر حلالاً بقضاء القاضی۔ حضور کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد بھی سن لیجئے۔ انکم تختصمون الیّ ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو مما اسمع فمن قطعت لہ من حق اخیہ شیئًا فلا یاخذہ فانما اقطع لہ قطعۃ من نارٍ۔ (قرطبیؒ) ترجمہ: تم میرے پاس جھگڑے چکانے کے لیے آتے ہو۔ ممکن ہے تم میں سے ایک فریق زیادہ چرب زبان ہو اور میں (بالفرض محال) اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ اگر میں کسی کو اس کے بھائی کا حق دیدوں تو وہ ہرگز نہ لے، بےشک وہ اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔

اگر ہمارا باہمی لین دین قرآن کے اس حکم اور حضورؐ کے اس واضح ارشاد کے مطابق ہو جائے تو کتنی مقدمہ بازیاں ختم ہو جائیں، ان کی پیروی پر جو بے محابا روپیہ اور بے انداز وقت ضائع ہوتا ہے وہ بچ جائے۔ ان مقدمہ بازیوں کا ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ قریبی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ باہمی محبت اور اخلاص کی جگہ نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ہم قرآن کے اس حکم کو سچے دل سے مان لیں تو اسلامی معاشرہ ان سب خرابیوں سے پاک ہو جائے گا۔ اور اس کا ماحول اتنا پاکیزہ اور خوشگوار بن جائے گا جس کا ہم اس وقت تصوّر بھی نہیں کرسکتے۔ کاش! قرآن کو سینے سے لگانے والا مسلمان اس پر عمل کرنے کی اہمیت کا بھی احساس کرے

۲۲۸: دوسروں کے مال ناجائز طور پر کھانے کا یہ بھی ایک مروّج اور مؤثر طریقہ تھا جو اب بھی ہے کہ حکام کو رشوت دیکر ان سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا جائے۔ اس ناپاک طریقہ کی ممانعت کو الگ ذکر فرمایا۔ لفظ تدلوا ماخوذ ہے ادلاء سے۔ اس کا معنی ہے رسی

أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ ۲۳ع۷

لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)۔ دریافت کرتے ہیں آپ سے ۲۳۰ نئے چاندوں کے متعلق

قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا

(کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمائیے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے اور حج کیلئے اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم داخل ہو

کوکنوئیں میں پانی نکالنے کے لیے لٹکانا۔ اِس سے مراد ہے کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا۔ استعیر للتوصّل الیٰ شیٔ (مفردات)۔

۲۲۹ : فریق کا معنی گروہ بھی ہے۔ اور کسی چیز کے حِصّہ اور جُزء کو بھی فریق کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی مُراد ہے۔ فریقا ای قطعۃ وجزأً (قرطبی)۔

۲۳۰ : قدرت کی کرشمہ سازی ملاحظہ ہو۔ ایک طرف مظاہرِ فطرت کو اتنا حسین بنا دیا کہ دل بے ساختہ ان کی طرف کھِچے چلے جاتے ہیں۔ دُوسری طرف اِن میں اِتنا غموض رکھ دیا کہ لاکھ سر پٹخنے اِن کی دلکشی اور حُسن کا راز معلوم نہیں ہوتا۔ اور اِس پر ستم ظریفی یہ فرمائی کہ کھوج لگانے کی تڑپ اور سُراغرسانی کی بے تابیاں مضمر کر دیں۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ کیوں؟ اِس لیے کہ اِس کے بغیر نہ تو عروسِ کائنات کے حُسن پر نکھار آسکتا تھا اور نہ ان صلاحیتوں کا اظہار ہو سکتا تھا جو کمال حکمت سے آدمِ خاکی میں سمو دی گئی تھیں۔ ایک وقت ایسا آیا کہ انسان جب اِس غموض سے پردہ نہ اُٹھا سکا تو ہیبتِ حُسن اور جلالِ دِلربائی کے سامنے سربسجُود ہو گیا۔ پھر کیا تھا کائنات پر جمُود طاری ہو گیا۔ ہر چیز افسردہ، ہر نظّارہ پژمردہ نظر آنے لگا۔ کیونکہ وہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا تھا جو گیسُوئے کائنات کی مشاطگی کے لیے پیدا ہوا تھا اور طبعِ فِتنہ طراز وجلوہ پرور کو پابجولاں کر دیا گیا تھا۔ عقل ونظر کے سب چراغ بجھا دیئے گئے تھے۔ رونق آتی تو کہاں سے، بارونق ہوتی تو کیا چیز؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرّم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مبعوث فرمایا۔ جس نے آکر انسان کی آنکھ سے جہالت کی پٹی کھولی۔ اس کی چندھیائی ہُوئی آنکھوں کو تازہ بینائی مرحمت فرمائی اور اسے بتایا کہ یہ مہر و ماہ، ارض وسما، کوہ و دمن، دریا وصحرا تیرے مسجُود نہیں، تیرے معبُود نہیں، بلکہ تیرے غلام ہیں تُو قدم شوق اُٹھا تو سہی اِن کی ساری نخوتیں تیری راہ میں پامال ہونے کے لیے بے چین ہیں، تو چشم جہاں بیں کھول کر تو دیکھ اِن کی ساری رعنائیاں اپنے نقاب اُلٹنے کے لیے بے تاب ہیں۔ اور تو اِن سے ڈر کر، مرعُوب ہو کر دُور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے اور جب بھاگ نہیں سکتا تو غش کھا کر سجدہ کناں انکے قدموں پر گر پڑتا ہے۔ فاران کی چوٹیوں سے ایک مسیحا نے انسان کی خوابیدہ قوّتوں بلکہ انسان کے خوابیدہ بخت کو جھنجھوڑا ؎

جہاں اگرچہ دگرگُوں ہے قُم باذنِ اللہ
وُہی زمیں وہی گردُوں ہے قُم باذنِ اللہ

الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوتَ

گھروں میں انکے پچھواڑے سے ہاں نیکی تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ اور آیا کرو گھروں میں ۲۳۵

کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے ❊ تیری رگوں میں وُہی خوں ہے قُم باذن اللہ

جہاں تک انسان کی فکری غلطی کا تعلق تھا اس کی اصلاح کر دی گئی۔ انہیں بتا دیا گیا کہ کائنات کی بڑی سے بڑی کوئی چیز معبود نہیں بلکہ تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تمہارا اور کائنات کی ہر چیز کا خالق اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور اس حقیقت کو اتنا واضح کر دیا کہ شک و شُبہ کا شائبہ تک نہ چھوڑا۔ لیکن اس کے بعد؟ وہی کائنات کی دلکشی تھی۔ وہی اس کا غموض تھا اور وُہی جذبۂ جستجو کی چبھن تھی۔ جب وہ اس اُلجھن کو حل نہ کر پاتے تو حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا حل طلب کرتے اس اُمید پر کہ جس نے ہمیں اتنی بڑی فکری اُفتاد سے بچایا ہے وُہی اس مشکل کو آسان کر دے گا۔ ان کی یہ توقع نہ بے محل تھی اور نہ بیجا لیکن اس اُستادِ کامل کی شفقت ان کی یہ خواہش پُوری کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ کیونکہ اس میں ان کا سراسر نقصان تھا۔ آپ شاید پوچھیں یہ کیسے؟ تو سُنیئے اگر کوئی اُستاد ریاضی کے سب سوال خود حل کر کے دے دیا کرے اور اپنے طلبہ کو اپنا دماغ استعمال کرنے کا موقع ہی نہ دے تو کیا وہ ریاضی میں مہارت پیدا کر سکیں گے؟ کبھی ان میں خود اعتمادی کا جوہر چمکے گا؟ اور کمالِ شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ شاگرد اپنی عقل سے اس گرہ کو کھولے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام ایسے سوالات کا جواب دینے سے اس لیے دانستہ اعراض فرمایا کہ حضورؐ کی اُمت اپنی ذہنی اور رُوحانی توانائیوں کو بروئے کار لا کر ان چیزوں کو مسخر اور فرمانبردار بنائے۔ اگر حضورؐ فلکیات وطبعیات وغیرہا کے اسرار سے خود نقاب اُٹھا دیتے تو اُمت کی عقلیں بانجھ ہو کر رہ جاتیں۔ اور افلا تعقلون افلا تتفکرون اور افلا تتدبرون کی بانگِ شوق افروز پر کیونکر لبیک کہی جا سکتی۔ اسی قسم کا یہ سوال ہے اور اس کا جواب۔ چاند کا نمودار ہونا ایک انداز سے اس کا بڑھنا، پھر گھٹنا اور پھر غائب ہو جانا۔ ایک عجیب بات تھی۔ جس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے رہ رہ کر دل میں شوق پیدا ہوتا۔ صحابہؓ نے اسکی وجہ دریافت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب نہ دیا۔ کیونکہ اس کا جواب ہمیں خود تلاش کرنا تھا۔ بلکہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فوائد بتا دیئے کہ اس سے تم اپنی عبادات، لین دین وغیرہ کے وقت مقرر کر سکتے ہو۔ اور یہ کھلی ہوئی جنتری ہے۔ جس سے ہر شخص پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ۔ شہری ہو یا دیہاتی، وقت معلوم کر سکتا ہے۔ حضورؐ کے اس سکوت سے جو عین مصلحت اور سراسر شفقت و رحمت کا مظہر ہے۔ بعض کج فہم یہ نتیجہ اخذ کرنے لگے ہیں کہ حضورؐ کو نعوذ باللہ ان امور کا علم نہ تھا۔ اور خاموشی لاعلمی کی وجہ سے تھی۔ لیکن یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ نبی کو اتنا علم بھی نہ ہو جتنا مڈل یا میٹرک کے ایک طالب علم کو ہوا کرتا ہے۔ کتنی غیر مناسب ہے یہ بات ❊

۲۳۵ امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ عرب کے لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب احرام باندھ لیا کرتے اور انہیں گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پیچھے سے دیوار میں سوراخ کر کے داخل ہوا کرتے اور اس کو بڑی نیکی سمجھتے۔ اس لایعنی حرکت سے ان کو روک دیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کام صحیح طریقہ سے کیا جائے تو عرب کہتے انہ

مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

ان کے دروازوں سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اس اُمید پر کہ کامیاب ہو جاؤ اور لڑو اللہ کی راہ میں ۲۳۲

اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا

اتی البیت من بابہٖ۔ یعنی اس نے صحیح طریقہ سے یہ کام کیا۔ اور اگر غلط طریقہ سے کوئی کام کرے تو کہتے انہ لویات البیت من بابہٖ : یہاں بھی سائلین کو بتایا گیا کہ ان چیزوں کے دریافت کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ اُٹھے اور نبی ؑ سے پوچھ لیا۔ بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنی سوچ بچار، مشاہدات اور تجربات سے ان سوالات کا حل تلاش کیا جائے۔ واللہ اعلم

۲۳۲ ان آیات میں ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دی جارہی ہے جن پر بارہ تیرہ برس مسلسل ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے رہے۔ اور تسلیم و رضا کے یہ مجسمے خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔ قرآن کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان تین چیزوں کو خوب ذہن نشین کرلیا جائے۔ ا۔کس مقصد کے لیے ۲۔کس کے ساتھ ۳۔ اور کن شرائط اور قیود کے ساتھ قرآن نے جہاد کی اجازت دی ہے۔ ان آیتوں میں تینوں امور کی وضاحت کردی گئی ہے۔ مقصد جہاد کے متعلق تو فرمایا: فی سبیل اللہ۔ حق کی سربلندی کے لیے۔ لوٹ مار، تجارتی و صنعتی رقابت، وطنی یا نسلی عداوت و تعصب یا اس قسم کے سفلی مقاصد مومن کی جنگ کے پیش نظر نہیں ہوتے۔ صرف اُن لوگوں کے ساتھ، الذین یقاتلونکم، جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ جو تم پر یلغار کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ اور اس شرط کے ساتھ "لا تعتدوا" کہ جب جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ آتشِ انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے۔ خبردار۔ اُس وقت بھی کسی پر زیادتی مت کرو۔ کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ عورتوں معصوم بچوں، اپاہجوں، بوڑھوں، کسانوں، مزدوروں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے سے اسلام نے منع فرمایا ہے (بشرطیکہ یہ لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں)۔ حضرت صدیق اکبرؓ جب اپنے ایک سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو الوداع کہنے کے لیے پاپیادہ ان کے ساتھ گئے تو رخصت کرتے وقت انہیں پھلدار درختوں کے کاٹنے، اُونٹوں اور شیر دار جانوروں کو بلاضرورت ہلاک کرنے سے منع فرمایا۔ مستشرقین حضرات جو اسلام کے نظریۂ جہاد پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں وہی انصاف سے بتائیں کہ دُنیا میں کوئی قوم ایسی گزری ہے یا آج کی مہذب و متمدن دُنیا میں کوئی قوم ایسی موجود ہے جس کے جنگی قانون میں عدل و انصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا ہو۔ آج تو جنگ شروع ہوتی ہے تو پُرامن شہریوں اور آبادبستیوں کو ایٹم بموں سے اُڑا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ عورتیں معصوم بچوں، بوڑھوں، بیماروں، کسی سے درگذر نہیں کی جاتی۔ ہسپتالوں، درسگاہوں، عبادت خانوں تک کا احترام بھی پس پُشت ڈال دیا جاتا ہے۔

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ

زیادتی کرنے والوں کو۔ اور قتل کرو انہیں جہاں بھی انہیں پاؤ ۲۳۳ اور نکال دو انہیں

مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ

جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو ۲۳۴ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ جنگ کرو ان سے

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں۔ سو اگر وہ لڑیں تم سے

فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

تو پھر قتل کرو انہیں۔ یہی سزا ہے (ایسے) کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آجائیں (تو جان لو کہ) اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ

بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) ۲۳۵ اور ہو جائے

۲۳۳ جب صلح حدیبیہ کے بعد معاہدہ کے مطابق مسلمان زیارت کعبہ کو جانے لگے تو ان کے دل میں رہ رہ کر خیال پیدا ہونے لگا کہ اگر کفار نے غدر کر کے حملہ کر دیا تو ہم حالت احرام میں حدود حرم میں ان سے کیونکر جنگ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ آمادہ جنگ ہوں تو پھر کعبہ کا مالک تمہیں اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے دشمن کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

۲۳۴ فتنہ کیا ہے۔ جب سنار میل نکالنے کے لیے سونے کو پگھلاتا ہے تو عرب کہتے ہیں۔ فتن الصائغ الذھب اور کسوٹی کو فتانہ کہا جاتا ہے۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے۔ اب اس کا استعمال سخت آزمائش کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور سب آزمائشوں سے سخت ترین آزمائش وہ ہے جو دین کے لیے ہو یا دین سے برگشتہ کرنے کے لیے ہو۔ کفار مکہ غریب مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے سخت ترین سزائیں دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قتل بھی بڑا بھیانک جرم ہے لیکن کسی کو اس کے پسندیدہ عقائد سے باز رکھنا جن کی صداقت اور سچائی پر وہ صدق دل سے یقین رکھتا ہو قتل سے بھی زیادہ خوفناک جرم ہے۔

۲۳۵ پہلے جنگ کی وجہ بیان فرمائی۔ اب اس کی انتہا کا ذکر ہے۔ یعنی مخالفین جب اطاعت قبول کرلیں اور دین کے معاملہ میں مداخلت اور جبر کرنے کی قوت ٹوٹ جائے اور ہر شخص آزادی سے دین حق کو قبول کر سکے تو اس وقت جنگ بند کر دینے کا حکم ہے۔

الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹۳

دین صرف اللہ کے لیے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ

حرمت والا مہینہ ۲۳۶ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویئیں) برابری چاہیے

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠

تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۹۴ وَاَنْفِقُوْا فِيْ

اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ اور خرچ کیا کرو

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ډ وَاَحْسِنُوْا ڔ

اللہ کی راہ میں ۲۳۷ اور نہ پھینکو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں ۲۳۸ اور اچھے کام کیا کرو

۲۳۶ عرب ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہا کرتے تھے لیکن ان کا یہ باہمی معاہدہ تھا کہ سال میں چار ماہ، محرم، رجب، ذیقعد اور ذی الحجہ میں جنگ بند کر دی جاتی تھی۔ لیکن جب مسلمان ماہ ذیقعد ۶ھ میں عمرہ کے لیے گئے تو کفار نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اپنے دیرینہ دستور کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ اگر وہ اس ماہ حرام کا پاس نہیں کرتے تو تم بھی نہ کرو۔ اور اگر وہ جنگ کریں تو تم بھی مدافعت کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔

۲۳۷ پہلے جانی جہاد کا حکم دیا اب مالی جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔

۲۳۸ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اِنَّ الْاِلْقَاءَ بِالْيَدِ اِلَى التَّهْلُكَةِ هُوَ تَرْكُ الْجِهَادِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے راستے میں جہاد چھوڑ دے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ اسلم ابی عمران سے مروی ہے کہ جب ہم نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو رومیوں کا ایک لشکر جرار ہمارے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ مسلمانوں کی فوج بھی ان کے مقابلے میں ڈٹ گئی۔ ایک مسلمان سپاہی نے تنہا لشکر روم پر حملہ کر دیا اور ان کی صف میں گھس گیا۔ لوگ چلائے سبحان اللہ اس نے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ حضرت ابو ایوب کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔ اے لوگو! تم نے اس آیت کا مطلب غلط سمجھا ہے۔ آؤ میں تمہیں اس کا شان نزول بتاؤں۔ جب اسلام کو غلبہ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ

بے شک اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنیوالوں سے ۔ اور پورا کرو ۲۳۹ حج اور عمرہ اللہ (کی رضا) کے لیے

أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ

پھر اگر تم گھر جاؤ ۲۴۰ تو قربانی کا جانور جو آسانی سے مل جائے (وہ بھیجدو) اور نہ منڈاؤ اپنے سر یہاں تک کہ

حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ

پہنچ جائے قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر ۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے

أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ

کچھ تکلیف ہو سر میں (اور وہ سر منڈا لے) تو وہ فدیہ دیدے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے ،

حاصل ہوگیا اور مسلمان مجاہدوں کی تعداد بھی کافی بڑھ گئی تو ہم انصار نے خفیہ مشورہ کیا ۔ کہ اب جانبازوں کی کمی بھی نہیں رہی اور اسلام کو عزت وعظمت بھی حاصل ہوگئی ہے اور مسلسل کئی سال تک ہم اپنی کھیتی باڑی اور کاروبار کی طرف کوئی توجہ نہیں دے سکے ۔ اب ہمیں اپنی مالی حالت درست کرنے کے لیے ساری کوششیں صرف کرنی چاہئیں ۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں یہ تصریح تھی کہ اے انصار اگر تم جہاد کو چھوڑ کر زراعت و تجارت میں کھو کر رہ گئے تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا ہے ۔ حضرت ابُو ایوب لڑتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا اور قسطنطنیہ میں ہی ان کا مزار پُرانوار ہے جو حال مست اور قال مست مسلمان کو آج بھی اس جدّ وجہد کی دُنیا میں عزت کے مقام کا صحیح راستہ بتا رہا ہے ۔

۲۳۹ عرب قدیم زمانہ سے حج کیا کرتے تھے ۔ لیکن اِن کے نزدیک حج ایک میلہ یا تجارتی منڈی بن کر رہ گیا تھا ۔ عبادت کا پہلو تو بالکل ختم ہوگیا تھا یا اتنا غیر اہم ہو کر رہ گیا تھا کہ اس کا کوئی اثر ہی محسوس نہیں کیا جاتا تھا ۔ لوگ آتے سیر و تفریح کر جاتے شاعر اپنے قصائد اور خطیب اپنے آتشیں خطبے سُنا کر لوگوں کے دلوں پر اپنی فصاحت و بلاغت کا سکّہ جماتے اور چلے جاتے ۔ چند روز تجارت کا بازار بھی خوب گرم رہتا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حج و عمرہ کرو ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی رضا جوئی کے لیے ۔ یعنی پُورے آداب و شرائط کے ساتھ ۔ پورے اخلاص و حُسنِ نیّت کے ساتھ ۔

۲۴۰ اگر تم احرام باندھ چکے ہو اور راستہ میں بیمار ہو گئے یا دشمن نے راستہ بند کر دیا ۔ اور تم حج کے ایام میں وہاں نہیں پہنچ سکتے ۔ تو اب احرام سے نکلنے کی یہ صورت ہے کہ قربانی کا جو جانور تم گھر سے لے آئے ہو وہ کسی کے ہاتھ بھیجدو یا اس کی قیمت دے کر دو اور انہیں یہ کہو کہ حرم میں پہنچ کر تمھاری طرف سے جانور ذبح کر دیں ۔ جب تم یہ خیال کر لو کہ وہ حرم میں پہنچ گئے ہوں گے اور

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ قف فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور جب تم امن میں ہو جاؤ (اور حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو جو فائدہ اٹھانا چاہے عمرہ کا ۲۴۱ حج کے ساتھ تو جو اسے میسر ہو

مِنَ الْهَدْيِ ج فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ

قربانی دے پھر جسے قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے حج کے وقت اور

سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

سات جب تم گھر لوٹ آؤ یہ پورے دس (روزے) ہوئے - یہ رعایت اس کے لیے

اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

ہے ۲۴۲ جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں - اور ڈرا کرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ

جانور ذبح کر دیا ہوگا تو تم سر منڈا کر یا بال کٹوا کر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو سکتے ہو۔ لیکن اگر بیماری کی وجہ سے جلد سر منڈانے کی ضرورت پڑ جائے تو فدیہ کے طور پر روزے رکھ لو۔ صدقہ دے دو یا جانور ذبح کر دو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ تین روزے یا چھ مسکینوں کو ۲-۲ سیر گندم یا ۴-۴ سیر جو (صدقہ فطر کے اندازے کے مطابق) دے یا کم سے کم بکری ذبح کر دے اور حجامت بنوالے۔

۲۴۱ حج کی تین صورتیں ہیں: ۱- افراد یعنی حج کے دنوں میں صرف حج کیا اس میں قربانی واجب نہیں۔ ۲- تمتع۔ ایک سفر میں ایام حج میں پہلے عمرہ کا احرام باندھا طواف وسعی کے بعد حلق کر کے اس احرام سے فارغ ہو گیا۔ پھر وقت آیا تو حج کا احرام باندھا کیونکہ ایک ہی وقت میں دو عبادتیں جمع کر لیں اور دہرا فائدہ اٹھا لیا تو اسے متمتع کہتے ہیں۔ ۳- قران۔ ایک ساتھ ہی حج و عمرہ کا احرام باندھا۔ پہلے عمرہ کے ارکان ادا کیے لیکن احرام بدستور رہا۔ یہاں تک کہ ایام حج میں حج کے ارکان ادا کر کے حلق کرایا اور احرام سے فارغ ہوا۔ پچھلی دونوں صورتوں میں ایک سفر میں دو عبادتیں جمع کر لیں۔ اس لیے اس پر قربانی لازمی قرار دے دی گئی۔

۲۴۲ ایک سفر میں حج و عمرہ جمع کرنے کی اجازت صرف ان لوگوں کو ہے جو مکہ کے رہنے والے نہیں بلکہ دور دراز کی مسافتیں طے کر کے آتے ہیں۔ مکہ کے باشندوں اور حدود میقات کے اندر رہنے والوں کا ایک ہی حکم ہے، **مسئلہ:** میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں باہر سے قصد حرم کرنے والا جب پہنچے تو اسے حکم ہے کہ بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے۔ مختلف اطراف کے لیے مختلف مقامات میقات ہیں۔ اہل مدینہ اور اس طرف والوں کے لیے ذوالحلیفہ۔ اہل عراق اور اس طرف والوں کے لیے ذات عرق، اہل شام اور ان اطراف کے لیے جحفہ۔ اہل نجد کے لیے قرن۔ اہل یمن اور اس طرف سے آنے والوں کے لیے یلملم۔ پاکستان کے حاجی جو بحری راستے سے جاتے ہیں ان کا میقات بھی یلملم ہے۔ جب ان کا جہاز بحیرہ احمر میں داخل ہوا اور یلملم

مکّہ سے عرفات تک حاجیوں کا راستہ

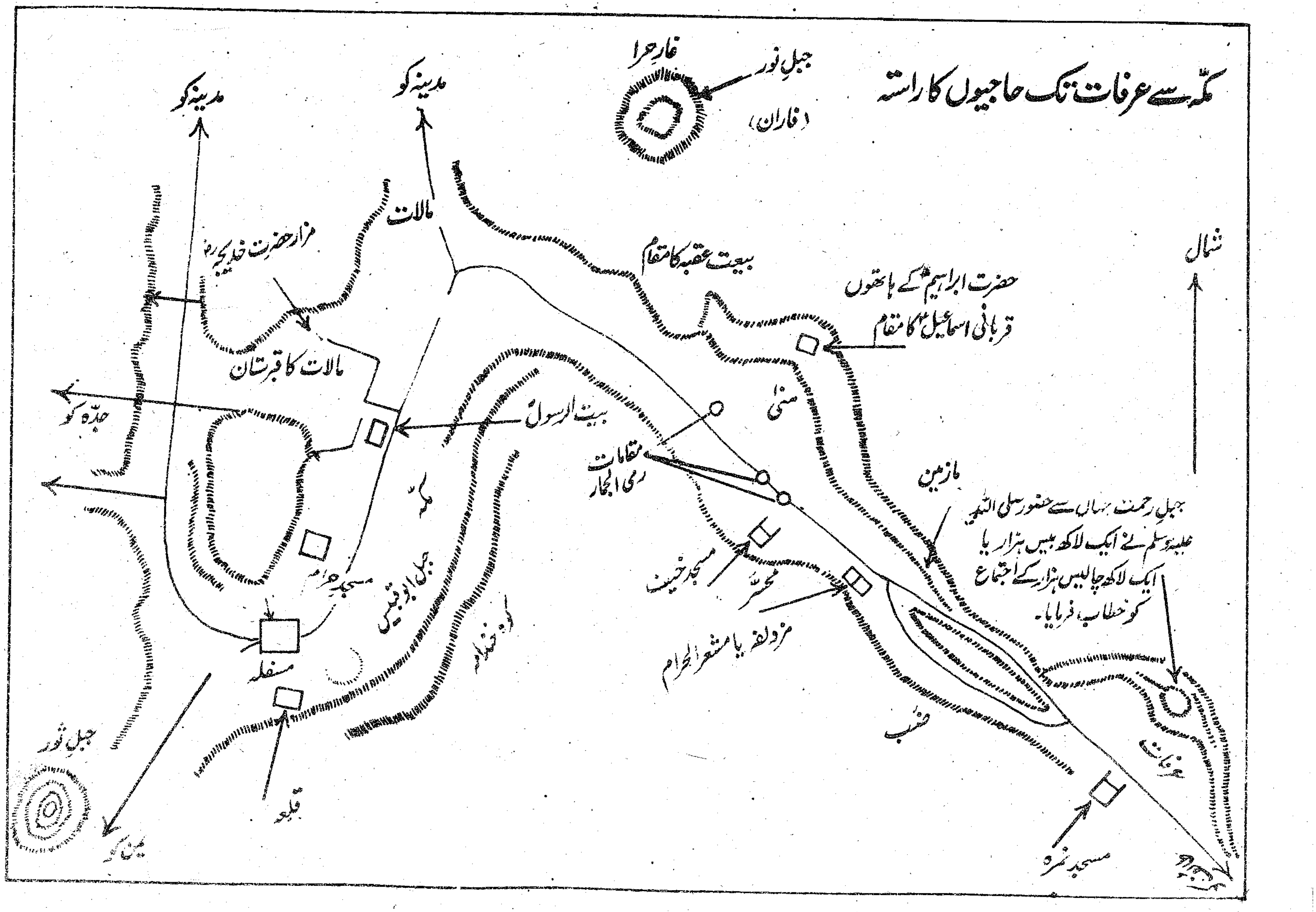

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾
سخت سزا دینے والا ہے۔ حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں ۲۴۳ پس جو نیت کرلے ان میں

الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا
حج کی تو اسے جائز نہیں بے حیائی کی بات اور نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا ۲۴۴ حج کے دنوں میں اور جو تم نیک کام کرو ۲۴۵

مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَ
اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، اور سفر کا توشہ ۲۴۶ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے اور

اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا
ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو! نہیں ہے تم پر ۲۴۷ کوئی حرج (اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم تلاش کرو

کے مقابل سے گزرے تو وہاں ان حاجیوں کو احرام باندھنا ہوتا ہے۔

ذی الحجہ کے دس دن۔

۲۴۳ یعنی شوال، ذیقعد، اور ذی الحجہ کے دس دن۔ کے متعلق باتیں کرنا۔

۲۴۴ رفث کہتے ہیں الجماع والافحاش لِلمراة بالکلام۔ جماع کرنا یا اس کے متعلق باتیں کرنا۔ جدال: جھگڑا۔ ان تمام چیزوں

فسوق: جمیع المعاصی کلها۔ تمام گناہ۔ چھوٹے بڑے ظاہر پوشیدہ۔ جدال: جھگڑا۔ ان تمام چیزوں

سے روک دیا گیا تاکہ حج کا حقیقی مقصد یعنی تربیتِ نفس ضائع نہ ہو جائے۔

۲۴۵ یعنی جو نیک کام تم کرتے ہو جسے کوئی اور نہیں دیکھتا یا جن مشتعل جذبات کو تم سختی سے روکے ہوئے ہو جس کا اندازہ دوسرے نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اور اپنے نفس سے تمہاری کش مکش کی نوعیت کو بھی خوب جانتا ہے وہ تمہیں

ضرور اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

۲۴۶ عرب کے اکثر لوگ خصوصاً اہلِ یمن کا دستور تھا کہ جب حج کی نیت سے گھروں سے نکلتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لاتے اور اس کو توکل کے خلاف سمجھتے اور رستہ میں لوگوں سے بھیک مانگا کرتے مسلمانوں کو اس غیر انسانی طریقۂ کار سے روک دیا گیا اور حکم دیا کہ زادِ راہ لے کر چلا کرو کسی کی خدمت نہ کر سکو تو کم از کم دوسروں پر بوجھ تو نہ بنو۔ ساتھ ہی فرما دیا بہترین توشہ تقویٰ ہے جو سفرِ آخرت میں کام آتا ہے۔

۲۴۷ امام رازیؒ لکھتے ہیں نزلت ردًّا علی من یقول لاحج لِلتجار والاجراء والجمالین۔ یہ آیت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے کہ تاجروں، مزدوروں اور ساربانوں کا کوئی حج نہیں بلکہ اجازت دی کہ تم بے شک نفع کماؤ لیکن ایسا نہ ہو کہ تم نفع کمانے میں ہی لگے رہو۔ اور یہی تمہارا مقصدِ اوّلین ہو کر رہ جائے۔ اور حقیقی مدعا یعنی ذکرِ الٰہی بھول جائے۔

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اپنے ربّ کا فضل (رزق) پھر جب واپس آؤ عرفات سے ۲۴۸؎ تو ذِکر کرو اللہ کا

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ

مشعرِ حرام (مزدلفہ) کے پاس اور ذِکر کرو اس کا جس طرح اس نے تمہیں سکھایا اور اگرچہ تم اس سے

قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۝۱۹۸ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

پہلے گمراہوں میں سے تھے۔ پھر تم بھی ۲۴۹؎ (اے مغروران قریش) وہاں تک (جاکر) واپس آؤ جہاں جاکر دوسرے لوگ

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۹ فَاِذَا قَضَيْتُمْ

واپس آتے ہیں، اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے، پھر جب تم پورے کر چکو

مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ

حج کے ارکان تو اللہ کو یاد کرو جس طرح ۲۵۰؎ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکرِ الٰہی کرو اور کچھ

۲۴۸؎ حکم ہوتا ہے جب عرفات میں حاضری کا فرض ادا کرکے وہاں سے چلو تو مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرو اس کی تسبیح وتہلیل میں وقت صرف
کرو۔ حاجی دسویں کی رات یہاں بسر کرتے ہیں مشعرِ حرام اس مسجد کو کہتے ہیں جو وادیٔ مزدلفہ کے ایک پہاڑ قزح پر ہے۔ جہاں امام قیام کرتا
ہے۔ اگرچہ سارا مزدلفہ (ماسوا وادیِ محسر) موقف ہے لیکن مشعرِ حرام اور اس کے قرب میں وقوف زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

۲۴۹؎ قریش اپنے لیے یہ ہتک سمجھتے تھے کہ دُوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی عرفات کے میدان میں وقوف کریں اس لیے وہ مزدلفہ
ہی میں ٹھہرتے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے نحن اھل اللہ ووطان حرمہٖ (یعنی ہم اہل اللہ ہیں اور اس کے حرم کے باشندے ہیں) اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ مغرورانہ ادا پسند نہ آئی
اور انہیں حکم دیا کہ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں وہاں سے ہی تم لوٹو۔ حج تو ہے ہی سب باطل امتیازات مٹانے کے لیے، سب جھوٹے
تفاخر ختم کرنے کے لیے۔ اگر آج بھی تم اپنی برتری کے نشے میں مست رہو گے تو مساواتِ انسانی کا صحیح مظاہرہ کب ہو گا اور
تم یہ اہم سبق کیونکر یاد کرو گے۔

۲۵۰؎ اِن کی ایک اور جاہلانہ رسم کا ابطال کیا جا رہا ہے۔ وہ جب حج سے فارغ ہوتے تو بیتُ اللہ کے پاس مجلسیں منعقد کرتے
جن میں وُہ اپنے باپ دادا کی تعریفوں کے پُل باندھا کرتے۔ حکم ہوتا ہے اپنے ربِّ کریم کو یاد کرو جیسے اپنے باپ دادا کو ذوق و
شوق سے یاد کیا کرتے۔ اَوْ اختیار کے لئے نہیں بلکہ ترقی کے لیے ہے اور بَلْ کا ہم معنی ہے۔ یعنی بلکہ ان سے بھی

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ

لوگ ہیں جو کہتے ہیں ۲۵۱ اے ہمارے ربّ دیدے ہمیں دُنیا میں ہی (سب کچھ) نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں

خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی

کوئی حصّہ اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! عطا فرما ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی اور

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

آخرت میں بھی بھلائی ۲۵۲ اور بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔ انہی لوگوں کو بڑا حصہ ملیگا (دونوں جہانوں میں) بسبب

كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ

انکی (نیک) کمائی کے اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔ اور (خوب) یاد کرلو اللہ تعالیٰ کو ان دنوں میں جو معدودے چند ہیں ۲۵۳

زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔

۲۵۱ مُشرکین کو آخرت کی زندگی پر ایمان نہ تھا۔ وہ اِسی زندگی کو سب کچھ سمجھتے۔ اِس لیے حج کرتے وقت اور دُوسرے خاص اوقات میں دُنیا کے متعلق ہی سوال کیا کرتے۔

۲۵۲ ان کے برعکس مومن صِرف دُنیاوی منافع اور مقاصد پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دُنیا و آخرت دونوں کے لیے وسیع دامن پھیلاتا ہے۔ حَسَنَۃ سے مُراد کوئی خاص چیز نہیں بلکہ ہر اچھائی مراد ہے فان حسنۃ نکرۃ فی سیاق الدّعاء فھُو محتمل لکلّ حسنۃ (قرطبی) ایک شخص کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ملاحظہ فرمایا کہ چُوزے کی طرح دُبلا ہوگیا ہے۔ حضورؐ نے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ سے کوئی دُعا مانگا کرتا ہے۔ عرض کرنے لگا ہاں، یارسُول اللہ صلّی اللہ علیک وسلّم مَیں یہ دُعا کیا کرتا ہوں کہ اے مالِک جو عذاب تو مجھے قیامت کے دِن دینا چاہتا ہے وہ اِس دُنیا میں ہی دیدے۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں خدا کا عذاب برداشت کرنے کی قوّت کہاں، تم یہ دُعا کیوں نہیں مانگا کرتے۔ رَبّنا آتِنا الخ

۲۵۳ دسویں رات تو گزری مزدلفہ میں۔ صبح سویرے مُنہ اندھیرے فجر کی نماز ادا کی اور وہاں سے منیٰ میں آکر قیام کیا۔ یہاں آکر ہی سر مُنڈایا یا بال کٹوائے، قربانی دی، اِحرام کی پابندیوں سے آزاد ہوئے اور کپڑے بدلے۔ اِن امُور کے علاوہ چند مخصوص مقامات پر پتھر بھی مارنے پڑتے ہیں اور ذِی الحجہ کی ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ تاریخ تک وہاں ہی قیام رہتا ہے۔ بارھویں کے دن پتّھر مارنے کے بعد اِنسان اگر مکّہ واپس آجائے تو بھی درست ہے اور اگر تیرھویں کی رات وہاں قیام کرے اور دن کو رَمی جمار کے بعد لوٹے تو بھی جائز ہے۔ لیکن حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک افضل دُوسری صُورت ہے۔ منیٰ میں جتنے

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ

اور جو جلدی کر کے دو دِنوں میں ہی چلا گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ۔ اور جو کچھ دیر وہاں ٹھیرا رہا تو اس پر بھی کوئی

عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ ڈرتا رہا ہو، اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو تمہیں اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

اور (اے سُننے والے) لوگوں سے ٢٥٤ وہ بھی ہے کہ پسند آتی ہے تجھے اس کی گفتگو دُنیاوی زندگی کے بارے میں اور وہ گواہ بناتا رہتا ہے

اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى

اللہ کو اس پر جو اس کے دل میں ہے ۔ حالانکہ وہ (حق کا) سخت ترین ٢٥٥ دُشمن ہے ۔ اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے ٢٥٦ تو سر توڑ کوشش

فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا

کرتا ہے کہ مُلک میں فساد برپا کر دے اور تباہ کر دے کھیتوں کو اور نسلِ اِنسانی کو اور اللہ تعالیٰ

روز قیام کرے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل اور حمد وثنا میں لگا رہے اور اپنے باطن کی اصلاح کی طرف پُوری پُوری توجہ دے ۔

٢٥٤ یہاں سے مُنافقوں کے احوال کا بیان ہے کہ جب سامنے آتے ہیں تو بڑی میٹھی باتیں کرتے ہیں ۔ اپنے مُسلمان ہونے کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں ۔ اور اس پر اللہ کی قسمیں بھی کھاتے ہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سب سے بڑے جھگڑالو دشمن یہی ہیں ۔ جب یہ تمہارے پاس واپس آتے ہیں یا ان کو کچھ اقتدار ملتا ہے تو ان کی شر پسند طبیعت گُل کھلاتی ہے اور فتنہ وفساد اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں ۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے حق میں نازل ہوئی ۔ لیکن اس کا حکم عام ہے ۔ سب منافقین کی یہی عادت ہے ، یہی ان کا طریق کار اور یہی انجام ہے ۔

٢٥٥ بہت سخت عداوت رکھنے والے جھگڑالو کو اَلَدّ کہتے ہیں ۔ خصام یا تو مصدر ہے بمعنی مخاصمۃ یا خصم کی جمع ہے ۔

٢٥٦ تولّی کے دو معنی ہیں ، والی بننا اور پیٹھ پھیرنا ۔ قاضی بیضاویؒ اس کی تفسیر فرماتے ہیں ادبر وانصرف عنك وقيل اذا غلب وصار واليا ۔ یہاں دونوں معنے مُراد ہو سکتے ہیں ۔ یعنی اگر اسے اقتدار ملتا ہے تو فتنہ وفساد برپا کرتا ہے اور لوٹ کھسوٹ شروع کر دیتا ہے یا جب مُسلمانوں کے پاس سے اُٹھ کر چلا آتا ہے تو پھر وہی منافقت ظاہر کرنے لگتا ہے ۔

يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾ وَ إِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ

فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور جب کہا جائے اسے کہ (میاں) خُدا سے تو ڈرو تو اُکساتا ہے اسے غرور گناہ پر ۲۵۷

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ

پس اس کے لیے جہنّم کافی ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے - اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو ۲۵۸ بیچ ڈالتا ہے

نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾ يٰۤاَيُّهَا

اپنی جان (عزیز) بھی اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر - اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

ایمان والو ۲۵۹ داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے

۲۵۷ اخنس اور اس کے سارے ہم مشربوں کا ایک ہی ڈھنگ ہے۔ جب انہیں انکی فتنہ پردازیوں سے روکنے کے لیے اللہ کا خوف دلایا جاتا ہے تو غصّہ سے انکے نتھنے پھول جاتے ہیں۔ اور اسے وہ اپنے ذاتی وقار اور شخصی عزّت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت نہ انہیں خدا کا خوف رہتا ہے اور نہ اس کے دردناک عذاب کا، وہ اپنی ساری طاقتیں اپنے جھوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ چلو وہ گئے مر گئے۔ اپنا کیا حال ہے۔ کیا ہم تو حق کے سامنے سر جھکانے کو عار نہیں سمجھتے۔ اور اپنی ناحق بات پر اڑے رہنے میں اپنی عزّت تصوّر نہیں کرتے:

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں ✽ میں اگر عرض کروں گا تو شکایت ہو گی

۲۵۸ منافقوں اور منافق مشرب لوگوں کی اخلاقی پستی کا ذکر کرنے کے بعد اب ان بندگانِ خاص کا ذکر ہے جو اپنا تن من دھن اپنے مولا کریم کی رضاجوئی کے لیے قربان کرنے پر آمادہ و مستعد بیٹھے ہیں۔ حضرت صُہیبؓ ہجرت کے ارادہ سے مکّہ سے نکلے تھے۔ کفّار نے آگھیرا۔ آپ نے انہیں فرمایا، میرا سارا سامان لے لو اور مجھے مدینہ جانے سے نہ روکو۔ کافر اس پر رضامند ہو گئے اور یہ مردِ حق پرست جب اپنی زندگی کا سارا اندوختہ لُٹا کر محبوب ربّ العالمین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو جبریلِ امین یہ آیت لے کر پہنچے۔ کتنے خوش نصیب تھے صُہیبؓ اور کتنے بلند اقبال ہیں اس کی راہ پر چلنے والے۔

۲۵۹ سِلم اور سَلم دونوں قرائتیں ہیں۔ دونوں کا معنی سرِ تسلیم خم کرنا غیر مشروط اطاعت اختیار کر لینا ہے۔ السلم بالکسر والفتح الاستسلام والطّاعة (بیضاوی ومظہری) یہاں اس سے مُراد اسلام ہے۔ یہ آیت ہمیں اسلام کے مزاج سے آگاہ کر رہی ہے کہ یہ دین مستقل ضابطۂ حیات اور مکمل دستورِ زندگی ہے۔ اس کے اپنے عقاید ہیں۔ اس کا اپنا

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

نقشِ قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۲۶۰ اور اگر تم پھسلنے لگو اس کے بعد کہ

جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

آچکی ہیں تمہارے پاس روشن دلیلیں تو جان لو ۲۶۱ کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے کیا وہ اس بات کا انتظار کر

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَ

رہے ہیں کہ ۲۶۲ آئے انکے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں (کی صورت) میں اور فرشتے اور (انکا)

دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اس کے اپنے نظریات ہیں۔ اور یہ انسان کی ذہنی روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہوسکتی ہیں جب کہ اسے ماننے والے اسے پورے کا پورا اپنالیں اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہوجائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اسے بتمامہ قبول کریں اس کا کوئی گوشہ ترک نہ ہوا اور ملّت اسلامیہ کا کوئی فرد اس کو اپنانے سے گریز نہ کرے۔ کافّۃً کا لفظ ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کافۃ حال ہے اس کا ذوالحال ادخلوا میں ضمیر مستتر انتم بھی ہوسکتی ہے اور السلم بھی۔

۲۶۰ یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔ اس طرح حق کا حُسن داغدار ہوجائے گا اور اس کا سرچشمہ مکدّر ہوجائے گا۔ آج ہماری کیا حالت ہے۔ کس طرح اسلام کے نام پر شہر آباد کیے جاتے ہیں۔ پھر اسی کی شاہراہوں پر اسلام کے نام اور اس کے نظام کو رسوا کیا جاتا ہے۔ اسلام کے نام پر مملکتیں معرضِ وجود میں لائی جاتی ہیں۔ لیکن اسلام کے قانون، ضابطۂ اخلاق اور اس کی مقدس قدروں کو سردخانوں میں مقفّل کر دیا جاتا ہے۔ یہ خدا فریبی بھی ہے اور خود فریبی بھی۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ساتھ مذاق کرنا چھوڑ دیں۔

۲۶۱ یعنی اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے انتقام لے گا۔ وہ عزیز ہے، سب پر غالب ہے۔ کوئی اس کے حکم کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ لیکن اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ اس سرکش کو ابھی ڈھیل دینا چاہیئے تو اسے فوراً پکڑ نہیں لیا جاتا۔ بلکہ اسے ڈھیل دی جاتی ہے۔ اسی لیے عزیز کے ساتھ حکیم کا ذکر بھی آیا ہے۔

۲۶۲ اس آیت میں بظاہر آنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جارہی ہے۔ لیکن آنا جانا جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم اور اس کی صفتوں سے پاک اور منزّہ ہے۔ اس کے متعلق علمارِ سلف کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ایسی تمام آیتیں متشابہات سے ہیں۔ اور انکا حقیقی مفہوم اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں ہمیں اس کے متعلق سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔ قال سفیان بن عیینہ کل ماوصف اللہ بہ نفسہ ..... لیس لاحد ان یفسرہٗ الا اللہ ورسولہ وبہ قال ابوحنیفہ رحمۃ اللہ (مظہری) لیکن علمار متاخّرین کا مسلک یہ ہے کہ ان آیات کی ایسی تاویل کرنا جو انکی شایانِ شان ہو درست ہے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی

قُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ٢٥ ع ١٤ ٩

فیصلہ ہی کر دیا جائے اور (آخر کار) اللہ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات۔ آپ پوچھیے بنی اسرائیل سے ۲۶۳

كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

کہ ہم نے انہیں کتنی روشن دلیلیں عنایت فرمائیں اور جو (قوم) بدل ڈالے اللہ کی نعمت کو اس کے مل جانے

مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا

کے بعد۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ (اس قوم کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔ آراستہ کر دی گئی ہے کافروں کے لیے ۲۶۴

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا وقف لازم

دنیا کی (فانی) زندگی اور مذاق اڑاتے ہیں یہ ایمان والوں کا، حالانکہ پرہیزگاروں کی شان

اور دوسرے مفسّرین نے یہاں آیت میں مضاف محذوف مانا ہے۔ یعنی اصل عبارت یوں تھی۔ ان یاتیھم امراللہ وباسہ (بیضاوی) اور لغتِ عرب میں مضاف کا حذف عام مستعمل ہے۔ میں نے ترجمہ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

۲۶۳ مسلمانوں کو جو عزّت اور امانت سونپی جا رہی تھی، وہ اِن سے پہلے بھی کئی قوموں کو دی گئی تھی۔ لیکن جب انہوں نے اِس کی قدر نہ کی اور اس کا غلط استعمال شروع کر دیا تو دنیاوی عزّت ان سے چھین لی گئی اور دینِ حق کی امانت ان سے واپس لے لی گئی اور انہیں ذلیل و رُسوا کر دیا گیا۔

مُسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے بھی اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا اِس کا صحیح استعمال کر کے اپنے لیے اور دُوسروں کے لیے ہدایت کی راہ ہموار اور روشن نہ کر دی تو یاد رکھو تمہارا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ اگر مثال دیکھنا چاہو تو تمہیں قدیم کتب خانوں کی ورق گردانی کرنے اور پُرانے کھنڈرات میں سالہا سال سرگرداں محوِ فکر کھڑا رہنے کی ضرورت نہیں یہ جو تمہارے پڑوس میں قوم بنی اسرائیل بس رہی ہے اِس سے پُوچھ لو۔ وہ اپنی کج بحثی اور حق پوشی کی پُرانی عادت کے باوجود ان تاریخی واقعات کا اِنکار نہیں کر سکتی۔

۲۶۴ کافر سے مراد یہاں صِرف اللہ و رسُول کا مُنکر نہیں بلکہ انکارِ نعمت اور احسان فراموشی کرنے والا بھی مُراد ہے۔ یعنی جب انہوں نے ہدایت کے انعام کی قدر نہ کی تو ان کی نظریں حقیقت سے پھر کر دُنیا کی زیب و زینت میں گم ہو کر رہ گئیں اور وہ اُلٹا اُن لوگوں کا مذاق اڑانے لگے جو حق کی خاطر زندگی کی ساری عشرتوں سے دستبردار ہو کر افلاس اور تنگی پر قانع ہو گئے تھے۔ قیامت کے دن جب حقیقت سے پردہ اُٹھے گا تو پتہ چلے گا کہ یہ مسکین لوگ جنہیں تم حقیر سمجھتے تھے مالکِ حقیقی کے نزدیک کتنے

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

بُلند ہوگی اِن سے قیامت کے دِن اور اللہ تعالیٰ روزی تو جسے چاہے ۲۶۵ بے حساب دے دیتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ

(ابتدا میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے ۲۶۶ (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہوگیا) تو بھیجے اللہ نے انبیار خوشخبری سُنانیوالے

وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

اور ڈرانے والے ۲۶۷ اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کِتاب برحق تاکہ فیصلہ کر دے لوگوں کے درمیان

عِزّت وکرامت کے مستحق ہیں۔

۲۶۵ وہ لوگ اپنی وافر دولت، ساز وسامان، جاہ وجلال کو دیکھ کر دل میں یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم پر ہی اللہ کی نظرِ عنایت ہے ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کو اس نے اپنے فضل وکرم کے لیے چُن لیا ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ دولت کی کثرت، مقبولیت اور قربِ خداوندی کی دلیل نہیں۔ رزق کی کمی بیشی گمراہی وہدایت کا معیار نہیں۔ اپنے دل کی گہرائیوں میں نظر ڈالو۔ اپنے اعمال کا جائزہ لو تمہیں حقیقت روزِ روشن کی طرح دِکھائی دینے لگے گی۔

۲۶۶ دین کی تاریخ لکھنے والے اِس کے آغاز، اس کی نشو ونما اور اس کے عروج کی داستان قلمبند کرنے والے اِس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے مدّتوں سرگرداں رہے کہ دین کی اِبتدا کیوں کر ہُوئی اور انکی طویل تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ انسان اِبتدا میں مُشرک تھا اور عقیدۂ توحید تک اس کی رسائی آہستہ آہستہ سینکڑوں صدیاں ٹھوکریں کھانے کے بعد ہُوئی۔ قرآن بتاتا ہے کہ یُوں نہیں بلکہ انسانِ اوّل (آدم علیہ السلام) موحد تھا۔ شرک سے اسکا کوئی سروکار نہ تھا اور عرصہ دراز تک اس کی اولاد عقیدۂ توحید پر ثابت قدم رہی قرآن نے اِس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جس کو تسلیم کرنے کے لیے یورپ کے محقّق کل تک تیار نہ تھے آج مجبوراً تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ آثارِ قدیمہ کے ماہرینُ انسانیات اور اجتماعیات کے علماء سر جارپس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن اور پروفیسر شمڈٹ کا یہی فیصلہ ہے کہ انسان کا دینِ اوّلین دین توحید تھا (تفسیرِ ماجدی)

۲۶۷ یہاں اُمّة واحدة اور فبعث الله کے درمیان ایک چھوٹا سا جملہ فاختلفوا محذوف ہے جس پر فیما اختلفوا فیہ کے الفاظ صراحتہً دلالت کر رہے ہیں۔ اب آیت کا مطلب بالکل صاف ہوگیا کہ پہلے مدّتِ دراز تک ایک ہی اُمت بنے رہے بعد میں جب نسلِ انسانی بڑھی تو لوگ اپنے مزاجوں اور طبیعتوں کے اِختلاف کی وجہ سے آپس میں جھگڑنے لگے اور اولادِ آدم مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں بٹ گئی۔ بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لانے کے لیے، اِختلاف کی آگ کو بجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور انکو آسمانی کِتابیں عطا فرمائیں۔ انبیاء کرام نے اپنے وعظ ونصیحت

النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ

جن باتوں میں وہ جھگڑنے لگے تھے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اس میں ۲۶۸ بجز اُن لوگوں کے جنہیں کتاب

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ

دی گئی تھی بعد ازاں کہ آگئی تھیں اُن کے پاس روشن دلیلیں (اسکی وجہ) ایک دوسرے سے حسد تھا۔ پس اللہ نے ہدایت بخشی

الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي

اُنھیں جو ایمان لائے تھے ان سچی باتوں پر جن میں وُہ اختلاف کیا کرتے تھے اپنی توفیق سے ۲۶۹ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا

جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔ کیا تم خیال کر رہے ہو ۲۷۰ کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے

سے اِن کو جھگڑا بازی اور فرقہ بندی سے نکالنے کی کوششیں کیں تاکہ منتشر انسانوں کی یہ ٹکڑیاں پھر ایک قوم بن جائیں۔

۲۶۸ اِن الفاظ سے تاریخ انسانی کے ایک بہت بڑے المیے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور وہ المیہ یہ ہے کہ وہ کتاب جو اِتحاد پیدا کرنے کے لیے نازل کی گئی تھی، اِس کو جاننے اور سمجھنے والوں نے اِس کتاب کے ذریعہ" اِس کو ماننے والی اُمّت" کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، انکا باہمی اختلاف اور فرقہ بندی حُسنِ نیّت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ حسد اور عناد اور سرکشی کا جذبہ تھا جس نے مِلّت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

۲۶۹ یعنی کتاب سے ہدایت اُنہیں لوگوں کو مل سکتی ہے جو سچے" دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اور جو کتاب کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، اور جو لوگ اپنے من گھڑت معنوں کا لباس اللہ کی آیاتِ بیّنات کو زبردستی پہنا دینے کو اپنے علم و کمال کا کرشمہ سمجھتے ہیں وہ اِس سے ہدایت نہیں پا سکتے۔

۲۷۰ مُسلمانوں کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ تم اِس اختلاف اور فرقہ بندی سے اپنا دامن بچانا۔ جن حالات سے پہلی اُمتوں کو واسطہ پڑا تمہیں بھی انکا سامنا کرنا ہو گا، ایسے فتنہ باز تم میں بھی پیدا ہوں گے جو اپنے ذاتی وقار اور اپنی ناموری کے لیے قرآن کے نام پر مِلّت کے اتحاد کو پارہ پارہ کریں گے تم اِن کے جال میں نہ پھنسنا۔ اگر تم اِس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ اِسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اب تم پر جنّت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں تو اِس خام خیالی سے باز آجاؤ۔ خوب کان کھول کر سُن لو، ہوش رُبا مصیبتیں، کڑی آزمائشیں اور لرزہ خیز امتحانات تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ اِس وقت اگر تم ثابت قدم رہے اور صبر کا دامن مضبُوطی سے پکڑے رکھا تو اللہ کی مدد تمہاری دستگیری کو یقیناً آئے گی۔

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ

جنّت میں حالانکہ نہیں گذرے تم پر وہ حالات جو گذرے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہوئے ہیں ، پہنچی انھیں

الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سختی اور مصیبت اور وہ لرز اُٹھے یہاں تک کہ کہہ اُٹھا (اس زمانہ کا) رسول اور جو ایمان لے آئے

مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ

تھے اسکے ساتھ کب آئیگی اللہ کی مدد؟ سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے ، آپ سے پوچھتے ہیں کہ

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ

وہ کیا خرچ کریں ۱۷۱؎ ، آپ فرمایئے جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں ، اور

الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا

قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی تم کرتے ہو

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ

تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُسے خوب جانتا ہے۔ فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے

۱۷۱؎ دو باتوں کے متعلق پوچھا گیا تھا۔ کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں۔ دونوں کا جواب دیا گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے سوال کا جواب ضمناً ہے اور دوسرے کا صراحتہً اور تفصیلاً کیا خرچ کریں کے متعلق تو فرمایا، مِن خیرٍ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے تو حلال اور پاک مال خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات حرام اور ناپاک مال کو قبول نہیں فرماتی۔ دُوسرے سوال کا جواب اپنی اہمیت کے پیشِ نظر تفصیل طلب تھا اس کی وضاحت کردی حکم دیا جاتا ہے کہ خرچ کرنے کا آغاز اپنے گھر سے کرو اور گھر میں بھی اپنے حقوق کے لحاظ سے سب سے مقدم ماں باپ ہیں۔ انکی خدمت اور دلداری تمہارا فرض اوّلیں ہے۔ ان کے بعد دُوسرے عزیز و رشتہ دار ہیں ، اولاد ، بہن بھائی ، چچا ، پھوپھی ، ماموں اور خالہ وغیرہ سب کے ساتھ احسان و مروّت از حد اہم ہے۔ انکے بعد باری ہے قوم کے یتیم بچّوں کی ، مسکینوں اور بے وطن مُسافروں کی ، امداد و اعانت کا کتنا مناسب اور فطری طریقہ ہے۔ ایسا نہیں کہ اپنے تو بھوک سے بِلک رہے ہوں اور بیگانوں پر آپ کی سخاوت کا مینہ برس رہا ہو۔

لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا

تمہیں ۲۷۲؎ اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم پسند کرو

شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع يَسْـَٔلُوْنَكَ

ع۲۶ ۱۰

کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور (حقیقتِ حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۲۷۳؎ وہ پوچھتے ہیں آپ سے

عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ

کہ ماہِ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے ۲۷۴؎ آپ فرمایئے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے لیکن روک دینا

۲۷۲؎ بعض مستشرقین نے اسلامی جہاد کو عجیب رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان طبعاً لوٹ مار اور جنگ وجدال کے رسیا تھے۔ ہر وقت تلواریں سونتے پُرامن بستیوں کو برباد کرنے اور لوٹنے کے لیے آدھمکتے تھے۔ وہ زبردستی لوگوں کو اپنے دین میں داخل کیا کرتے تھے، کہنے کو انسان جو جی چاہے کہے، لکھنے کو جو دل میں آئے لکھ دے لیکن اس طرح حقیقت تو بدل نہیں جاتی، واقعات تو مسخ نہیں ہوجاتے۔ تاریخ کے صفحات اور قرآن کی یہ آیت ان کے سارے افسانوں کی تردید کے لیے کافی ہے۔ کوئی قوم اگر طاقت کے نشہ میں مست ہو۔ اس کے پاس وسائل کی بہتات ہو اور اس کا مقابل کمزور ہو اور دین اور اخلاق کا کوئی ضابطہ بھی اس کو روکنے والا نہ ہو تو مانا جاسکتا ہے کہ ایسی قوم جنگ کا اعلان کردے تاکہ کمزور دشمن کو نیست و نابود کرکے اپنی حکومت کو وسعت دے، اپنے خدمت گاروں کی صفوں میں اضافہ کرے اور انکی دولت و ثروت کو ہڑپ کرلے۔ لیکن تاریخ ہمیں ایسی ایک بھی مثال نہیں بتاسکتی کہ کسی کمزور، تعداد میں کم، سامانِ جنگ سے یکسر محروم قوم نے شوقیہ اپنے سے طاقتور، کثیر التعداد، ہر قسم کے اسلحہ سے لیس قوم کو جنگ کے لیے للکارا ہو۔ اب خود فیصلہ فرمایئے کہ مستشرقین کا یہ خیال کہاں تک درست ہے کہ جنگ مسلمانوں کا مشغلہ تھا۔ کیا مسلمان ان حالات میں پہل کرنے کی پوزیشن میں تھے؟ ہرگز نہیں۔ آپ قرآنِ حکیم کے ان الفاظ پر غور فرمایئے وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ کہ تم پر جہاد فرض کیا گیا حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے اگر مسلمان طبعی طور پر جنگجو ہوتے اور ان کا دین انہیں لوٹ مار کا سبق دیتا تو کیا وہ جنگ کو ناپسند کرتے بلکہ وہ تو بہانے تلاش کرتے کہ کوئی موقعہ ہاتھ آئے تاکہ لوٹ مار تاخت و تاراج کی حسرت پوری ہوسکے۔

۲۷۳؎ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے تمہاری پسند اور ناپسند کو دخل نہیں۔ تمہارا فرض ہے اپنے ربّ کا ہر حکم مانتے چلے جاؤ۔ کیونکہ وُہی جانتا ہے کہ تمہارے لیے کونسی چیز مفید ہے اور کونسی نقصان دہ ہے۔

۲۷۴؎ حضور کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جمادی الثانی کی آخری تاریخوں میں عبداللہ بن جحش کو ایک مختصر سے دستے کے ساتھ کفّار کی نقل وحرکت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ ان کی مٹھ بھیڑ مشرکین کے ایک قافلہ سے ہوگئی۔ چنانچہ ان کا ایک آدمی

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ

اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو

مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ

اس سے، اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک اور فتنہ (وفساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور ہمیشہ ۲۷۵

يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ

لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے اگر بن پڑے اور جو

يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ

پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مرجائے حالتِ کفر پر تو یہی وہ (بدنصیب) ہیں کہ ضائع

مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور تین آدمیوں کو سازوسامان سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ جس روز یہ واقعہ ہوا مسلمان اس خیال میں تھے کہ رجب کا چاند دِکھائی نہیں دیا اور جمادی الثانی کی تیسویں تاریخ ہے اور حقیقت یہ تھی کہ رات کو رجب کا چاند ہو گیا تھا۔ اِس واقعہ سے کفارِ مکّہ اور یہود و منافقینِ مدینہ کو مُسلمانوں کے خلاف پر وپیگنڈے کا ایک سنہری موقعہ ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے تو ادھم مچانا شروع کر دیا کہ ذرا دیکھو اِن مسلمانوں کو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود ماہِ حرام (رجب) میں قتل کرنے سے بھی باز نہیں آتے مسلمانوں کی اِس نادانستہ غلطی کو لے کر انہوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ اِن آیات میں انکے پر وپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دیا گیا کہ ٹھیک ہے ماہِ رجب کی بڑی عزّت وحرمت ہے اور اس میں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن اپنے کرتوتوں کو بھی تو ملاحظہ کرو۔ وہ راستہ جو بندے کو مولا تک پہنچاتا ہے وہ تم روکے کھڑے ہو۔ مسجدِ حرام میں کسی حق پرست کو تم داخل ہونے نہیں دیتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ امن وسلامتی کے اِس شہر سے اِس کے اصلی باشندوں کو جلاوطن کرنے سے تم باز نہیں آتے اور اِن سب سے بڑھ کر یہ کہ جو دعوتِ اِسلام قبول کر لیتا ہے اسے طرح طرح کے عذاب دیکر، اس کے دل میں شکوک وشبہات ابھار کر دینِ حق سے دُور کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہو۔ اِن سنگین جرائم کا تو تمہیں خیال تک بھی نہیں، بلکہ اِن کو تم جُرم سمجھتے ہی نہیں اور اِس معمولی واقعہ کو جو محض غلطی سے سرزد ہو گیا اسے یُوں اچھال رہے ہو گویا یہ تمہارے جرموں سے قبیح ترین ہے۔

۲۷۵ مسلمانوں کو کفّار کی دلی آرزو سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ہُشیار رہیں۔

اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

ہو گئے ان کے عمل دُنیا و آخرت میں اور یہی دوزخی ہیں ، وہ

فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا ،

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

اللہ کی راہ میں ، (تو) یہی لوگ اُمید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی ، اور اللہ بڑا بخشنے والا

رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ

بہت رحم فرمانیوالا ہے ۔ وہ پوچھتے ہیں آپ سے ۲۷۶ شراب اور جوئے کی بابت ، آپ فرمائیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے

۲۷۶ شراب کی حُرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی بعض سلیم طبیعتیں اس کو گوارا نہیں کرتی تھیں ۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت معاذؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہمیں شراب کے متعلق حکم دیجئے ۔ فانها مذهبة للعقل ومسلبة للمال ۔ یہ عقل زائل کرنے والی اور مال ضائع کرنے والی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس پر بعض نے شراب ترک کر دی اور بعض پیتے رہے ۔ کیوں کہ اس میں صراحتہً روکا نہیں گیا تھا ۔ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بعض احباب کو بلایا اور انہیں شراب پیش کی ۔ جب وہ پی کر مست ہو گئے تو شام کی نماز کا وقت ہو گیا ۔ انہیں میں سے ایک صاحب نے امامت کرائی اور سُورہ الکافرون کی تلاوت شروع کی اور بجائے لا اعبد ما تعبدون (میں انکی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو) کی جگہ اعبد ما تعبدون (میں بھی انکی عبادت کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو) پڑھ گئے ۔ تو اس وقت حکم ہوا ۔ لاتقربوا الصّلوٰة وانتم سکاریٰ کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو ۔ پھر ایک محفل میں جس کا اہتمام عتبان بن مالک نے کیا تھا ۔ جب جام شراب گردش میں تھا اور حاضرین کو خمار چڑھنا شروع ہوا تو لگے اپنے اپنے قبیلوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے ۔ کسی صاحب نے انصار کی ہجو میں شعر کہہ دیا ۔ ایک انصاری نے اُونٹ کے جبڑے کی ہڈی ان کے سر پہ دے ماری اور سر پھوڑ دیا ۔ بارگاہِ رسالت میں شکایت کی گئی ۔ حضرت عمرؓ نے التجا کی اے اللہ ! شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما ۔ تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ انّما الخمر ۔ الی ۔ فهل انتم منتهون ۔ یہ شراب کی حرمت کا اٹل حکم تھا (اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ)

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ؕ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ

اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ۲۷۷ ان کے فائدے سے اور پوچھتے ہیں آپ سے

مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ

کیا خرچ کریں فرمائیے جو ضرورت سے زیادہ ہوا ۲۷۸ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے حکموں کو

۲۷۷ یعنی یہ درست ہے کہ شراب سے عارضی سرور بھی حاصل ہوتا ہے اور جوئے سے بغیر محنت ومشقت کے دولت بھی مل جاتی ہے لیکن انکے نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ انکے سامنے اس نفع قلیل کی کوئی اہمیت نہیں رہتی (مزید وضاحت کے لیے سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۹۰-۹۱ ملاحظہ فرمائیے)۔

۲۷۸ جو تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو یا جس کا خرچ کرنا تمہاری طبیعتوں پر بوجھ نہ ہو العفو ماسھل وتیسر و فضل ولم یشق علی القلب اخراجه (قرطبی) ایک شخص سونے کا انڈا لیے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری طرف سے یہ صدقہ قبول فرمائیے۔ حضور نے منہ پھیر لیا۔ وہ بار بار اصرار کرتا رہا اور حضور اعراض فرماتے رہے۔ جب وہ باز نہ آیا تو حضور نے وہ انڈا اس سے لے کر غصے سے دور پھینک دیا۔ اور اگر وہ اسے لگ جاتا تو اس کا سر پھوڑ دیتا۔ پھر اس حکیم ومشفق اُستاد اور مربی نے فرمایا یاتی احدکم بمالہ کلہ یتصدق بہ و یجلس یتکفف الناس انما الصدقۃ عن ظھر غنی (تم میں سے کوئی آتا ہے اور اپنا سارا مال خیرات کر دیتا ہے اور پھر لوگوں سے بھیک مانگنے لگتا ہے۔ صدقہ تو تب ہے جب احتیاج نہ ہو) نیز اس لفظ میں ان لوگوں کے لیے بھی درس عبرت ہے جن کے پاس بے حساب دولت ہے اور ان کے گرد ونواح اور پڑوس میں کئی غریب، مسکین اور محتاج زندگی کی اہم ضروریات کے لیے بھی ترس رہے ہوتے ہیں وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ زکوٰۃ ادا کر کے اب وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ان کی ضرورت سے زیادہ جو سرمایہ ہے اس سے وہ اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں۔ بعض کا خیال ہے کہ زکوٰۃ سے پہلے یہ حکم تھا کہ ضرورت سے زیادہ مال صدقہ کر دیا کرو۔ لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں کیونکہ آیت زکوٰۃ جو سورۂ بقرہ کی ابتداء میں ہے اس آیت سے پہلے نازل ہوئی اس لیے وہ اس آیت کی ناسخ نہیں ہو سکتی قلت و ھذا لیس بسدید فان انزال الحکم بالزکوٰۃ فی صدر سورۃ البقرۃ ... (فہی) مقدمۃ نزولا علی ھذہ الآیۃ (مظہری) نیز یہاں نسخ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے اور یہ آیت نفلی صدقات کے بارے میں ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

تاکہ تم غور و فکر کرو ۲۷۹ دُنیا اور آخرت (کے کاموں) میں ۔ اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں

الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ

کے بارے میں ۲۸۰ فرمائیے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) انکی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ

اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے ۲۸۱ اور اگر چاہتا اللہ تو مشکل میں ڈال دیتا تمہیں

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ

بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا (حکمت والا) ہے ۔ اور نہ نکاح کرو ۲۸۲ مُشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں

۲۷۹ یعنی دُنیا و آخرت دونوں کو بہتر بنانے کے لیے غور و فکر کرو ۔ یہ ہے مومن کامل کا طریق کار ۔

۲۸۰ بعض لوگ تو یتیموں کے اموال کو خُرد بُرد کرنے کے لیے انکے ساتھ شراکت کرتے ۔ لیکن کئی ایسے بھی تھے جو ازراہ ہمدردی ان کو اپنے کاروبار میں شریک کر لیتے ۔ اور دیانتداری سے انکے حصّہ کا نفع ان کو ادا کرتے اور ان کی سہولت کے پیش نظر انکے کھانے پینے کا انتظام اپنے ساتھ کر لیتے ۔ جب قرآن حکیم نے یتیموں کے اموال میں بد دیانتی کرنے سے سختی سے روکا بلکہ انکے مال کے نزدیک تک جانے سے منع کر دیا تو اس سے ان لوگوں کو بھی بڑی پریشانی ہوئی جو یتیموں کی بہتری اور فائدہ کے لیے ان کو اپنے ساتھ شریک کیے ہوئے تھے ۔ اس لیے فرمایا کہ اگر تم یتیموں کا روپیہ کاروبار میں لگاؤ تاکہ اس سے انہیں نفع پہنچے تو یہ اچھی بات ہے ۔ منع تو اس امر سے کیا گیا ہے کہ تم ان کے مال ہضم کر جاؤ ۔

۲۸۱ وہ ہر ایک کی نیّت اور ارادے سے واقف ہے ۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ۔

۲۸۲ اسلام کے ابتدائی دَور میں مسلمان کفّار سے رشتہ لیا بھی کرتے تھے اور دیا بھی کرتے تھے ۔ لیکن اب انہیں اس بات سے روک دیا گیا اور انہیں بتا دیا گیا کہ مانا کوئی مشرک عورت اپنے مال و دولت ، حسن و جمال اور اپنے فضل و کمال میں بڑھی ہوئی ہے لیکن اس کے شرک کے عیب نے اس کے تمام حسن و کمال کو بدنما بنا کر رکھ دیا ہے اور مومنہ پر ایمان کے نُور کا جو ہالہ ہے اس نے اس کی دُوسری جُملہ خامیوں کی کسر نکال دی ہے اور یہی فرق مومن مرد اور مُشرک مرد کا ہے ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب میاں اور بیوی کے عقاید بالکل متضاد ہوں گے ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کا بندہ اور دوسرا ہزاروں بُتوں کا پرستار ہو گا تو ان کی کب نبھ سکے گی ۔ لامحالہ آج نہیں تو کل یہ کشتی کسی چٹان سے ٹکرائے گی اور پاش پاش ہو جائے گی ۔ نیز وہ دو

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا

اور بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ بہت پسند آئے تمہیں۔ اور نہ نکاح کر دیا کرو

الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ

(اپنی عورتوں کا) مشرکوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور بے شک مومن غلام بہتر ہے (آزاد) مشرک سے،

وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

اگرچہ وہ پسند آئے تمہیں وہ لوگ تو بلاتے ہیں ۲۸۳؎ دوزخ کی طرف اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

جنت اور مغفرت کی طرف اپنی توفیق سے اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حکم لوگوں کے لیے تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ ۲۷ ع ۵ ۱۱

نصیحت حاصل کریں۔ اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے متعلق ۲۸۴؎ فرمائیے وہ تکلیف دہ ہے

قومیں جو ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں ان کے افراد کو ایک دوسرے پر اعتماد کب ہوگا اور وہ شادی جہاں باہمی اعتماد نہ ہو۔ جذبات اور امنگیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہوں وہ زیادہ دیرپا نہیں ہو سکتی اس لیے تم جذبات کی رَو میں نہ بہہ جاؤ اور اپنے مستقبل کو برباد نہ کرو۔

اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کا حکم اپنے موقع پر آئے گا۔

۲۸۳؎ سابقہ حکم کی حکمت بیان کی جارہی ہے۔ یعنی اگر مشرک عورت سے شادی رچائی تو وہ اپنی پوری کوشش کرے گی کہ وہ تمہیں اسلام سے رُوگرداں کردے اور عورت کے دام فریب میں تو بڑے بڑے سُورماؤں کو پھڑکتے دیکھا ہے۔ اور اگر تم نے اپنی بیٹی کسی مشرک سے بیاہ دی تو ممکن ہے اس کی ہیبت کا کوئی جھونکا تمہاری بیٹی کے ایمان کی شمع بجھادے۔ خود سوچو یہ کتنا ناقابلِ برداشت خسارہ ہے۔

۲۸۴؎ یہود ایامِ حیض میں عورت سے بالکل قطع تعلق کر لیا کرتے تھے۔ ایک ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تو کجا اس کے ساتھ کھانا پینا بھی بند کر دیا جاتا۔ بلکہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی ناپاک خیال کیا جاتا تھا اور مشرکینِ عرب کا رویہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ لیکن نصاریٰ ان دنوں میں کسی قسم کا پرہیز نہیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم بستری سے بھی باز نہ آتے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى

پس الگ رہا کرو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور نہ نزدیک جایا کرو ان کے یہاں تک کہ

يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ

وہ پاک ہو جائیں۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں ۲۸۵ تو جاؤ ان کے پاس جیسے حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ

بے شک اللہ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو۔ تمہاری بیویاں

حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ

تمہاری کھیتی ہیں ۲۸۶ سو تم آؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو ۲۸۷ اور پہلے پہلے کرلو اپنی بھلائی کے کام ۲۸۸

کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ اسلام کی روایتی میانہ روی اور اعتدال جلوہ فرما ہے۔ صحبت سے منع کر دیا کیونکہ مرد عورت دونوں کا فائدہ اسی میں ہے۔ عورت کی طبیعت ان دنوں نڈھال ہوتی ہے اور یہ عمل اس کے لیے بھی ناگوارِ خاطر ہوتا ہے۔ نیز خون جو بہرحال غلیظ اور نجس ہے ایسے حال میں مقاربت کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کرتا بلکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات ایسی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کو اسلام نے جائز رکھا کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲۸۵ یہاں طہارت میں مبالغہ مطلوب ہے۔ یعنی خون کے بند ہونے کے بعد غسل کرلے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے یا خون دس دن گزرنے پر بند ہوا ہو تو پھر مقاربت کی اجازت ہے۔ یہ قید اس لیے بڑھائی گئی ہے تاکہ خون بند ہونے کا پورا یقین ہو جائے۔

۲۸۶ "یعنی فطرۃ اللہ نے عورتوں کو مردوں کے لیے سیرگاہ نہیں بنایا بلکہ ان دونوں کے درمیان کھیت اور کسان کا سا تعلق ہے" (تفہیم القرآن) ایک نازک ترین حقیقت کو کیسے احسن پیرایہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جبینِ حیا پر شکن بھی نہیں پڑتی اور مقصد بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اسلامی ازدواج کا سارا فلسفہ سمیٹ کر ان دو لفظوں میں رکھ دیا گیا ہے۔ شادی کا مقصد صرف لذت طلبی نہیں بلکہ حصول اولاد ہے۔ اس لیے اپنے لیے بیوی ایسی منتخب کرو جو نیک اور پاکباز ہو۔ کیونکہ اگر ردّی زمین میں تخم ریزی کرو گے تو اچھی کھیتی کی توقع عبث ہے۔ نیز جس طرح کسان کی ظاہری خوشحالی بلکہ بقا کا انحصار اس کے کھیت کی حفاظت و نگہداشت اور خدمت پر ہے اور اس کے لیے دلی وابستگی ضروری ہے۔ اسی طرح تمہارا تعلق اپنی رفیقۂ حیات سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو کہ تم ملنے والے ہو اس سے اور (اے حبیب) خوشخبری دو مومنوں کو

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَ

اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو رکاوٹ ۲۸۹ اس کی قسم کھا کر کہ نیکی نہ کرو گے اور پرہیزگاری نہ کرو گے اور

دلی وابستگی کا ہونا چاہیئے۔ غرضیکہ آپ جتنا غور کرتے جائیں گے شادی کے مقاصد اور فرائض نکھر نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔

۲۸۷ اَنّٰى بمعنی کیف ہے۔ یعنی مقاربت کی کوئی ایک ہیئت متعین نہیں بلکہ جیسے تمہیں پسند ہو۔ صرف ایک شرط ملحوظ رہے کہ تخم ریزی وہاں ہو جو جگہ اس کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ آیت کے اِن الفاظ سے دو غلط کاریوں کا رد کر دیا گیا ہے۔ یہود نے مقاربت کے لیے صرف ایک شکل مخصوص کر رکھی تھی۔ فرمایا کسی خاص ہیئت کی پابندی کی ضرورت نہیں بلکہ جیسے تمہیں پسند ہو۔ اور بعض گندے مذاق کے لوگ عورتوں کے ساتھ لواطت کیا کرتے تھے۔ اس سے منع فرمایا کہ وہ تخم ریزی کی جگہ نہیں۔ اِس سے شادی کا مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے اور عورت کے طبعی حقوق بھی پامال ہوتے ہیں

۲۸۸ بڑا جامع فقرہ ہے اور بڑے وسیع مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اِن لذتوں میں ہی نہ کھو جاؤ بلکہ اپنی آنے والی زندگی کے لیے نیک اعمال کا توشہ جمع کرتے رہو۔ نیز شادی سے اولاد طلب کرو تاکہ اس کی وجہ سے تمہارا نام باقی رہے اور ان کے اعمالِ صالحہ سے تمہارے مرجانے کے بعد بھی تمہارے اعمال نامہ میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے۔ اگر تم لذّت طلبی میں ہی عمر برباد کر کے دنیا سے چل دیئے تو تمہارا نام تک مِٹ جائے گا۔ اور اگر اَولاد ہوئی اور اس کی تم نے صحیح تربیت نہ کی۔ ان کے اخلاق اور سیرت کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا۔ وہ جاہل۔ بدعمل، بدکار بن گئے تو تمہیں یاد تو کیا جائے گا لیکن ایسی بُرائی کے ساتھ کہ اس سے تمہیں اگر یاد نہ کیا جاتا تو ہزار بار بہتر تھا۔ نیز نیک اولاد کی خواہش ہے تو پہلے ایسی نیک بیوی تلاش کرو جو نیک اور سعادتمند بچّوں کی ماں بن سکے۔ یہ سارے مطالب قدموا لانفسکم میں بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

۲۸۹ عرضۃ ای حاجز (بیضاوی) یعنی رکاوٹ۔ بعض نادان قسم اٹھا لیا کرتے تھے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ نہیں بولیں گے یا اپنے بھائی وغیرہ سے قطع تعلق کر لیں گے اور جھُوٹی گواہی ضرور دیں گے اور پھر اپنی قسموں کی وجہ سے اپنے آپ کو نیکی نہ کرنے کا پابند سمجھتے تھے (اور آجکل بھی یہ عام رواج ہے) اِس آیت میں بتایا گیا کہ نیکی نہ کرنے پر اللہ کے نام کی قسمیں مت اٹھاؤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشادِ گرامی ہے اذا حلفت علی یمین فرایت غیرھا خیرا منہا فات الذی ھو خیر وکفر عن یمینک۔ یعنی اگر تم کسی کام کی قسم اُٹھا لو اور پھر اس سے دوسرا کام نیک معلُوم ہو تو وہ نیک کام کر لو اور قسم کا کفّارہ ادا کر دو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نامِ پاک نیک کام نہ کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کِھلانا یا کپڑے دینا یا تین روزے رکھنا۔

تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ

صلح نہ کراؤ گے لوگوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے نہیں پکڑے گا تمہیں

اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

اللہ تعالیٰ تمہاری لایعنی قسموں پر ۲۹۰ لیکن پکڑے گا تمہیں ان قسموں پر جن کا ارادہ تمہارے

قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ

دلوں نے کیا ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا حلم والا ہے۔ ان کے لیے جو قسم اٹھاتے ہیں کہ وہ ۲۹۱ اپنی بیویوں کے

تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

قریب نہ جائیں گے مہلت ہے چار ماہ کی پھر اگر رجوع کرلیں (اس مدت میں) تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ

اور اگر پکا ارادہ کرلیں طلاق دینے کا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور طلاق دی ہوئی عورتیں

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک ۲۹۲ اور جائز نہیں ان کے لیے کہ چھپائیں ۲۹۳

۲۹۰ یعنی اگر ارادہ اور قصد کے بغیر قسمیہ الفاظ زبان پر جاری ہونے کی عادت ہوگئی ہے تو ان کا اعتبار نہ ہوگا۔

۲۹۱ بعض لوگ اپنی عورتوں کو ستانے کے لیے قسم اٹھا لیا کرتے کہ وہ ان سے ہم بستری نہ کریں گے۔ اس طرح عورت نکاح میں بھی رہتی اور حقوقِ زوجیت سے بھی محروم ہوجاتی۔ قرآن نے اس ظلم کا بھی خاتمہ کردیا۔ اور فرمایا کہ اگر چار ماہ کے اندر تم نے اپنی یہ قسم توڑ دی تو عورت تمہارے نکاح میں رہے گی تمہیں صرف کفّارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم نے چار ماہ گزرنے پر بھی اپنی قسم نہ توڑی تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اور عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم عورت کو اپنے نکاح میں بھی جکڑ بند رکھو اور اس کے حقوقِ زوجیت بھی ادا نہ کرو۔ ہاں اگر اپنی خوشی سے پھر اس خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔

۲۹۲ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو بیوی کو یہ اجازت نہیں کہ وہاں سے اُٹھے اور جھٹ دوسرے شخص سے جا کر بیاہ رچالے، جیسا یہود کے ہاں قاعدہ تھا۔ بلکہ اسے حکم ہے کہ تین حیض گزرنے کی مدت تک صبر کرے۔ اس کے بعد اسے نکاح کرنے

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

جو پیدا کیا ہے اللہ نے ان کے رحموں میں اگر وہ ایمان رکھتی ہوں اللہ پر اور روزِ

الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ

آخرت پر اور ان کے خاوند زیادہ حقدار ہیں ان کو لوٹانے کے اِس مُدت میں اگر وہ ارادہ کریں صلاح کا ۲۹۴

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

اور ان کے بھی حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے حقوق ہیں ان پر دستور کے مُطابق البتہ مردوں کو عورتوں پر

دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ ۲۸ ع ۱۲

فضیلت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عزّت والا حکمت والا ہے۔ طلاق دو بار ہے ۲۹۵ پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ

کی اجازت ہے۔ اِس مدّت انتظار کو شریعت میں عِدّت کہتے ہیں۔ اِس میں بڑی مصلحتیں ہیں۔ اِس مدّت میں خاوند چاہے تو رجُوع بھی کرسکتا ہے (بشرطیکہ اس نے تیسری بار طلاق نہ دے دی ہو) نیز اس عرصہ میں اگر عورت حاملہ ہے تو بھی پتہ چل جائیگا اور یہ چیز خاوند کو رجُوع کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے۔ اِس سے بڑھ کر شریعت کو اس پیدا ہونے والے بچّے کے حقوق کا پاس ہے۔ کہ اس کی نِسبت مشکوک اور مخلوط نہ ہوجائے۔ اِس کے علاوہ طلاق کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ طلاق کوئی معمولی واقعہ نہیں جس کا کوئی اثر نہ ہو۔ یہ تو ایک المناک حادثہ ہے۔ لیکن عِدّت کی یہ مُدّت اس عورت کے لیے ہے جو مدخول بہا ہو اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا حیض بھی بند نہ ہوگیا ہو۔ اور حاملہ بھی نہ ہو۔ اس قسم کی عورتوں کی عِدّت کا بیان دُوسری آیات میں مذکور ہے۔

۲۹۳ عورت پر ضروری ہے کہ وہ اپنی صحیح اندرُونی کیفیت بتادے کہ آیا وہ حاملہ ہے یا نہیں تاکہ عِدّت کے فوائد مرتب ہوسکیں۔

۲۹۴ اِن کے خاوند اگر اصلاح کرلیں اور آباد کرنے کی نیّت سے دوبارہ انہیں اپنے گھر میں بسالیں تو یہ بہت بہتر ہے بشرطیکہ انہوں نے تیسری بار طلاق نہ دیدی ہو۔

۲۹۵ عرب میں یہ رواج تھا کہ خاوند اپنی بیوی کو اَن گِنت بار طلاق دے سکتا تھا۔ چنانچہ مفسّر کبیر ابن جریر لکھتے ہیں کہ مرد جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا کوئی پابندی نہ تھی اور ہر بار عِدّت گزرنے سے پہلے وہ رجُوع کرسکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی کو دھمکی دی لا اقربک ولا تحلین منی، کہ نہ تو مَیں تمہارے نزدیک جاؤں گا اور نہ تو

أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ

یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لیے کہ لو تم ۲۹۶ اس سے جو تم نے دیا ہے انہیں

مجھ سے آزاد ہو سکے گی۔ اس کی بیوی نے اس سے پوچھا یہ کیسے؟ تو وہ بولا کہ میں تمہیں طلاق دیا کروں گا۔ اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کروں گا۔ وہ اپنے تاریک مستقبل کا تصور کر کے لرز گئی اور شکوہ کناں بارگاہ رسالتمآب رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اپنی مظلومیت کی داستان عرض کی۔ پروردگار عالم نے اپنے حبیب مکرم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ جس نے عورت کے بیشتر مصائب کا خاتمہ کر دیا۔ خاوند کے حق طلاق کو تین بار تک محدود کر دیا۔ ایک بار طلاق دینے کے بعد اسی طرح دوسری بار طلاق دینے کے بعد وہ اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے اور اگر اس نے تیسری بار بھی طلاق دے دی تو اب اس کا تعلق اس عورت سے بالکل منقطع ہو گیا۔ اب اسے رجوع کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

طلاق دینے کا قاعدہ: اگر قطع تعلق کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہے تو مرد اپنی بیوی کو جب وہ حیض سے فارغ ہو صحبت کرنے سے پہلے ایک طلاق دے۔ پھر دوسرے ماہ جب وہ حیض سے پاک ہو تو صحبت سے پہلے دوسری بار طلاق دے۔ ابھی تک وہ رجوع کر سکتا ہے۔ پھر تیسرے ماہ جب عورت حیض سے پاک ہو تو صحبت سے پہلے تیسری طلاق دے۔ اب نکاح کا تعلق ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا ہے۔ مرد کو اتنی مہلت جو دی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اپنے اس فیصلہ پر ایک بار نہیں بار بار غور کرے۔ اور اگر اپنے اس فیصلے کو وہ واپس لینا چاہے تو دو بار تک واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے تیسری بار بھی طلاق دے دی تو گویا اس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ اس عورت کو کسی قیمت پر اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔ اس کے بعد اسے یہ حق نہیں کہ پھر رجوع کرتا پھرے اور عورت کو اپنی خواہشات کا کھلونا بنائے رکھے۔

یہ اسلام کا قانون طلاق ہے۔ اب اس کا موازنہ کریں۔ ایک طرف عرب کے جاہلانہ طریقے سے جس میں مرد جب چاہتا طلاق دیتا رہتا اور دوسری طرف ہندوؤں، یہودیوں اور نصاریٰ کے قانون سے کہ جو ایک بار نکاح کی زنجیر میں جکڑ دیا گیا، اب حالات کیسے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ ہو جائیں چھٹکارا کی کوئی صورت نہیں۔ اسلام کی شریعت کی میانہ روی اور اعتدال وہ امتیاز ہے جس کا مقابلہ دنیائے قدیم وجدید کا کوئی نظام قانون نہیں کر سکتا۔ کاش ہم سمجھتے! کاش اس کے مطابق عمل کرتے۔

۲۹۶ مرد کیونکہ فطری طور پر عورت سے نسبتاً زیادہ مدبر، دور اندیش اور جذبات کی رو میں بہ جانے کی بجائے عقل وہوش سے زیادہ کام لینے والا ہے۔ نیز ازدواجی زندگی کی ساری ذمہ داریاں بھی اسی کے کندھوں پر ہیں اس لیے شریعت مطہرہ نے طلاق دینے کا حق مرد کو تفویض کیا ہے۔ اور اس حق کو استعمال کرنے کا حکیمانہ طریقہ بھی تعلیم کر دیا۔ اور اسے اس آیت میں یہ بھی ہدایت کر دی کہ جو چیزیں اس نے آج تک اپنی اس بیوی کو تحفہ یا ہدیہ کے طور پر دی تھیں وہ واپس نہ لے بلکہ تسریح باحسان کے الفاظ تو بتاتے ہیں کہ اس افسوسناک حادثہ پر اس کی مزید خدمت کر دے تاکہ اس کی کچھ نہ کچھ دلجوئی ہو جائے۔

شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا

کچھ بھی بجز اس کے کہ دونوں اندیشہ ہو کہ وہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ

حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ

سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو کوئی حرج نہیں ان پر ۲۹۷ کہ عورت کچھ فدیہ دیکر جان چھڑا لے ۔ یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ

حدیں ہیں اللہ کی سو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے سو وہی لوگ

۲۹۷ اگر خاوند عورت کو مارتا پیٹتا ہے اور اسے طلاق بھی نہیں دیتا یا عورت کو اپنے خاوند سے ایسی نفرت ہوگئی ہے کہ اب ان کی صلح کی کوئی توقع نہیں اور خطرہ پیدا ہوگیا کہ اگر یہ نکاح کے بندھن میں بندھے رہے تو یہ طرح طرح کی معصیتوں میں مبتلا ہو جائینگے تو اب کیا کیا جائے ؟ اس مشکل کا حل آیت کے اِس حصّہ میں بیان فرمایا گیا ہے جسے فقہاء کی اصطلاح میں خُلع کہا جاتا ہے ۔ یعنی اگر مندرجہ بالا صُورت پیدا ہو جائے تو عورت حاکمِ وقت کے پاس خلع کا مُطالبہ کرے ۔ اور حاکم پہلے ان کی مصالحت کی کوشش کریگا اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کر دے ۔ اور ان کے درمیان تفریق کر دے۔ یہ خُلع ہے اور اس کا حکم طلاق بائن کا ہے ۔

فقہاء احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر زیادتی خاوند کی طرف سے ہے تو اسے خلع کرتے وقت بیوی سے کچھ لینا مناسب نہیں اور اگر زیادتی بیوی کی ہے تو جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا اتنا لینا اسے مباح ہے اور اس سے زیادہ لینا مکرُوہ ہے اور بعض دیگر علماء نے کہا ہے کہ زیادہ بھی لے سکتا ہے ۔ مخلوعہ کی عِدّت بھی تین حیض ہے ۔ اِس حکم کے نزُول کی وجہ محدثینِ کرام نے یہ لکھی ہے کہ جمیلہ بنتِ عبداللہ نے جو ثابت بن قیس کے نکاح میں تھی ، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی لا انا ولا ثابت لا یجمع راسی و راسہٗ شئ ۔ میں اور ثابت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے ۔ میرا سر اور اس کا سر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا (اس نفرت کی بجز اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ انکو ان کی شکل پسند نہ تھی) حضورؐ نے فرمایا کیا تم وہ باغ واپس کرنے کے لیے تیار ہو جو ثابت نے تم کو مہر میں دیا تھا ۔ جمیلہ نے کہا ہاں وہ بھی اور کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں ۔ حضور علیہ السّلام نے وہ باغ حضرتِ ثابت کو واپس کر دیا اور ان میں تفریق کر دی ۔ (خلع کے تفصیلی احکام کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے)

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى

ظالم ہیں۔ (دو بار طلاق دینے کے بعد) ٢٩٨ پھر اگر وہ طلاق دے اپنی بیوی کو تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہاں تک

تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ

کہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ۔ پس اگر وہ (دوسرا) طلاق دے اسے تو کوئی حرج نہیں ان دونوں پر کہ رجوع کرلیں بشرطیکہ

اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا

انہیں خیال ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان فرماتا ہے انہیں ان

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

لوگوں کےلیے جو علم رکھتے ہیں اور جب تم طلاق دیدو عورتوں کو اور وہ پوری کرلیں اپنی عدّت ٢٩٩

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ

پس یا تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور نہ روکو انہیں

٢٩٨ یہاں سے تیسری طلاق اور اس کے حکم کا بیان ہے۔ یعنی اگر تیسری طلاق بھی اس نے دے دی تو اب جب تک وہ کسی دُوسرے خاوند سے بالکل اسی طرح بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے جیسے اس نے پہلے خاوند کے ساتھ کیا تھا اور پھر وہ دوسرا خاوند ہم بستری کرنے کے بعد کچھ مدّت گزرنے پر اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے دے اس وقت تک وہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں جا سکتی۔ یہ ہے قرآنِ کریم کا واضح ارشاد جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ آجکل اس کا حل حلالہ کی باعثِ صد نفرین صُورت میں تلاش کر لیا گیا ہے۔ اِس کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ کا یہ حکم پیشِ نظر رہے۔ لعن اللہ المحلل والمحلل لہٗ۔

ترجمہ: حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھٹکار اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جا رہا ہے اس پر بھی اللہ کی پھٹکار۔ رکُوع کے آخر تک جتنی آیتیں ہیں ان میں مکرر سہ کرر تاکید کی جا رہی ہے کہ کسی عورت کے ساتھ نکاح اسے ستانے اور دُکھ دینے کے لیے نہ کرو بلکہ انہیں آباد کرنے کے لیے کرو۔ اور جو ایسا کرے گا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ کیا کسی مومن کے لیے اس سے بھی کوئی سنگین سرزنش ہو سکتی ہے۔

٢٩٩ طلاق سے یہاں مُراد طلاقِ رجعی ہے۔ یعنی جب تک تم نے طلاق مغلّظ نہیں دی اُس وقت تک تمہیں اختیار ہے چاہے تو رجُوع کر لو اور اسے اپنے گھر بسا لو اور اسکے ساتھ حُسنِ سلوک کرو۔ اور اگر رجُوع کا ارادہ نہیں تو پھر اسے عمدگی اور شائستگی سے

ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا

تکلیف دینے کی غرض سے تاکہ زیادتی کرو۔ اور جو کوئی کرے گا اس طرح تو وہ ظلم کریگا اپنی ہی جان پر اور نہ

تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۘ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ

بنالو اللہ کی آیتوں کو مذاق ۳۰۰ اور یاد کرو ۳۰۱ اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور (یاد کرو) جو اس نے نازل

عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

فرمایا تم پر قرآن اور حکمت وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اس سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو

اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۲۳۱ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ ۲۹ ع ۱۳ النصف

کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پوری کر چکیں

اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا

اپنی عدّت تو نہ منع کرو انہیں ۳۰۲ کہ نکاح کرلیں اپنے خاوندوں سے جبکہ رضامند ہوجائیں

علیحدہ کردو۔ جو صورت بھی اختیار کرو اسمیں نیک نیتی ملحوظ ہو۔ عورت کو ضرر دینا اور اسے تنگ کرنا ہرگز مقصود نہیں ہونا چاہیئے۔

۳۰۰ گھریلو زندگی کی اہمیّت کے پیشِ نظر ان قوانین کو غلط استعمال کرنے والوں کو تنبیہہ کی جارہی ہے کہ اگر تم نے ان قواعد کی تعمیل میں تاویل سے کام لینا شروع کیا تو یاد رکھو تمہارا یہ جرم نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تم آیاتِ خداوندی کا مذاق اڑا رہے ہو۔ اور یہ بڑا سنگین جُرم ہے۔ اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

۳۰۱ پہلے جملے میں سرزنش کی گئی تھی۔ اب ملاطفت و شفقت سے ان قوانین کے اتباع کی ترغیب دی جارہی ہے۔ کہ دیکھو قرآن ایسی کتاب ہدایت تمہیں عطا فرمائی گئی ہے۔ تمہیں اس نعمتِ عظمیٰ کا ہمیشہ پاس رہنا چاہیئے۔ تبھی تو تم اس احسانِ عظیم کی شکرگزاری کا حق ادا کرسکتے ہو۔ ترغیب و ترہیب کی کیا حسین آمیزش ہے۔

۳۰۲ یعنی مطلقہ عورت جب اپنی عدّت پوری کرلے اور اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو عورت کے ولی اسے منع نہ کریں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسی عورت اگر اپنے تجویز کردہ خاوند کے ساتھ عدّت گزرنے کے بعد نکاح کرنا چاہے تو پہلا خاوند اسے نہ روکے اور یہ کوشش نہ کرے کہ جب میں نے اسے طلاق دے دی ہے تو کوئی

بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ

آپس میں مناسب طریقہ سے یہ فرمان الٰہی (ہے) نصیحت کی جاتی ہے اسکے ذریعے اسکو جو تم میں سے یقین رکھتا ہو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اللہ پر اور قیامت پر یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور بہت صاف اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ

اور تم نہیں جانتے ۔ اور مائیں دُودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو

كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۗ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ

سال ۳۰۳ (یہ مدت) اس کے لیے ہے جو پُورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدت ۔ اور جس کا بچّہ ہے اس کے ذمّہ ہے

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

کھانا ان ماؤں کا اور ان کا لباس مناسب طریقہ سے ۔ تکلیف نہیں دی جاتی کسی شخص کو مگر اسکی حیثیت کے مطابق

دُوسرا بھی اس سے نکاح نہ کرے۔

۳۰۳ یہاں طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچّہ ہو تو اِس جُدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا۔ اس لیے ضرُوری تھا کہ بچہ کی پرورش کی ذمہ داریاں جو ماں باپ پر ہیں انہیں اس موقعہ پر بیان فرما دیا جائے۔ لہٰذا یہاں اِن مسائل کا بیان ہوا۔

مسئلہ: ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچّے کو دُودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اُجرت پر دُودھ پلانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دُودھ پلانے والی میسّر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دُودھ قبول نہ کرے۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دُودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دُودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔ (منقول از حاشیہ صدرالافاضل رح مُرادآبادی)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس بچّہ کے دُودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے۔ (حاشیہ صدرالافاضل رح)

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى

نہ ضرر پہنچایا جائے کسی ماں کو اسکے لڑکے کے باعث اور نہ کسی باپ کو (ضرر پہنچایا جائے) اسکے لڑکے کے باعث اور وارث

الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ

پر بھی اسی قسم کی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں ارادہ کرلیں دُودھ چھڑانے کا اپنی مرضی اور

تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا

مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں دونوں پر اور اگر تم چاہو کہ دُودھ پلواؤ (دایہ سے) اپنی

اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ

اولاد کو پھر کوئی گناہ نہیں تم پر جبکہ تم ادا کردو جو دینا ٹھہرایا تھا تم نے مناسب طریقے سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۳۳ وَالَّذِيْنَ

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کررہے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔ اور جو لوگ

يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ

فوت ہوجائیں ۳۰۴ تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں ۳۰۵ چار

اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

مہینے اور دس دن اور جب پہنچ جائیں اپنی (اس) مدت کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو

۳۰۴ یہاں ان عورتوں کی عدت کا بیان ہے جن کے خاوند فوت ہوجائیں اور وہ حاملہ نہ ہوں۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے یعنی جس وقت وہ بچہ جنے گی اس کی عدت ختم ہوجائے گی۔ اس کی تصریح آگے آئے گی۔

۳۰۵ اس کا صرف یہ مطلب نہیں کہ وہ اس مدت میں نکاح نہ کرے بلکہ احادیث صحیحہ کے مطابق کئی دوسری چیزوں سے بھی پرہیز لازمی ہے۔ یعنی عدت کے اندر وہ رنگین اور ریشمی لباس نہ پہنے۔ خوشبو نہ لگائے۔ مہندی اور دیگر آرائش سے اجتناب کرے۔ اپنے متوفی خاوند کے ہی گھر ٹھہرے۔ (ہاں ضروری کام کی غرض سے دن کو گھر سے نکل سکتی ہے رات کو

فَعَلْنَ فِیٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾

کریں وہ اپنی ذات کے بارے میں مناسب طریقہ سے ۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب واقف ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ

اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس بات میں کہ اشارہ سے پیغام نکاح دو ان عورتوں کو

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ

یا جو چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں ۳۰۶ جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم ضرور ان کا ذکر کروگے البتہ

لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا

نہ وعدہ لینا ان سے خفیہ طور پر بھی مگر یہ کہ کہو (ان سے) شریعت کے مطابق کوئی بات اور نہ پکّی کر لو

عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ

نکاح کی گرہ یہاں تک کہ پہنچ جائے عدّت اپنی انتہا کو اور جان لو کہ یقیناً اللہ جانتا ہے

ع ۳۰ ۱۴ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

جو تمہارے دلوں میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا حلم والا ہے۔

پھر اسی مکان میں شب باشی کرے ۔ نیز نئے نکاح کے لیے بھی بات چیت نہ کرے ۔

۳۰۶ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ عدّتِ وفات گزارنے والی عورت سے صراحۃً نکاح کرنے کا تذکرہ نہ کریں ۔ غم واندوہ کی ان گھڑیوں میں جبکہ ایک گھر بے چراغ ہو چکا ہے تمہارا جشن شادی منانے کی طرح ڈالنا کتنا معیوب ہے اور اس مرحوم کے ساتھ کتنی بے انصافی ہے کہ ابھی اسکا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم اسکی بیوی کو شادی کا پیغام بھیجنے لگے ہو ۔ ہاں پردہ داری سے اگر تم اپنے ارادہ کا اظہار کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ بات تمہارے دلوں میں ہی رہے اور زبان پر نہ آنے پائے ۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ

کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم طلاق دے دو ان عورتوں کو جن کو تم نے چھُوا بھی نہیں ۳۰۵؎ اور نہیں

تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ

مقرر کیا تم نے ان کا مہر اور خرچہ دو انہیں مقدور والے پر اسکی حیثیت کے مطابق

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق یہ خرچہ مناسب طریقہ پر ہونا چاہئیے یہ فرض ہے نیکو کاروں پر ،

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ

اور اگر تم طلاق دو انہیں ۳۰۶؎ اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور مقرر کر چکے تھے

لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا

ان کے لیے مہر تو نصف مہر (ادا کرو) جو تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ وہ (اپنا حق) مُعاف کردیں یا معاف

۳۰۵؎ یہاں اس عورت کی طلاق کا حکم بیان ہوا ہے جس کے ساتھ نکاح تو ہو گیا لیکن مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہوئی اور مرد نے اس کے ساتھ صحبت اور خلوت صحیحہ بھی نہیں کی۔ بتایا کہ ایسی عورت کو طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں لیکن ایسی عورت کو خرچہ کے لیے کچھ دیدو تاکہ اس کی دلجوئی ہو جائے۔ فقہار نے تین کپڑوں کا جوڑا مُراد لیا ہے۔ یہ بھی بتا دیا کہ خاوند اس میں تنگدلی سے بھی کام نہ لے اور فضول خرچی بھی نہ کرے بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق جو دینا چاہے دے۔ حقًّا سے یہ وضاحت کی کہ دینا ضروری ہے

۳۰۶؎ یہاں اس عورت کا حکم بیان ہو رہا ہے کہ نکاح کے وقت جس کا مہر تو مقرر ہو چکا تھا لیکن صحبت اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی گئی۔ فرمایا اس صُورت میں خاوند نصف مہر عورت کو دے۔ ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے وہ بھی بخش دے یا خاوند پُورا مہر دینے کو تیار ہو جائے اور نصف مہر نہ دینے کی جو رعایت اِسے دی گئی تھی اس رعایت کو وہ معاف کردے تو پھر اور بات ہے۔ الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے مُراد خاوند ہے۔ کیونکہ نکاح کی گرہ کے باندھنے اور کھولنے کا حق اسے ہی دیا گیا ہے۔ اور اَنْ تعفوا سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عفو اور فراخ دِلی کے زیادہ مستحق مرد ہیں۔

الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؕ وَ

کر دے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ۔ اور (اے مردو) اگر تم معاف کر دو تو یہ بہت قریب ہے تقویٰ سے اور

لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۷﴾

نہ بھلایا کرو ۳۰۹ احسان کو آپس (کے لین دین) میں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے ۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾

پابندی کرو سب نمازوں کی ۳۱۰ اور (خصوصًا) درمیانی نماز کی ۳۱۱ اور کھڑے رہا کرو اللہ کیلئے عاجزی کرتے ہوئے

۳۰۹ اس وقت اِحسان و مروّت کی ہدایت کی جا رہی ہے جبکہ حالات اِس قدر کشیدہ ہو چکے ہیں کہ طلاق دینے کی نوبت آ چکی ہے ۔ لیکن قرآن اپنے ماننے والوں کو تلقین کرتا ہے کہ اِن بگڑے ہوئے حالات میں بھی حُسنِ خلق کا مظاہرہ کرو۔ اور اگر دُوسرا فریق تمہارے اس حُسنِ سلوک اور مہربانی کا اعتراف اور قدر نہ بھی کرے تو کیا ہوا، تمہارا رب تو تمہیں دیکھ رہا ہے ۔ اگر وہ راضی ہو گیا تو پھر تمہیں اور کیا چاہیے ۔

۳۱۰ ذکرِ الٰہی اِسلام کی رُوح ہے ۔ یہی وہ قوّت ہے جس سے اِنسان بخوشی شریعت کے تمام قوانین پر عمل کر سکتا ہے ۔ اس لیے قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں قوانین و احکام کا بیان ہوا وہاں ساتھ ہی ذکرِ الٰہی کی طرف دلوں کو راغب کر دیا تاکہ وہ اِن احکام کی پابندی آسانی سے کر سکیں ۔ یہاں بھی خانگی زندگی سے متعلّق احکامِ طلاق ، خُلع ، عدّت وغیرہ بیان کر کے نماز کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا ۔ کیونکہ نماز ہی ذکرِ الٰہی کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ ہے ۔ اِسمیں جسم و روح ، دل و دماغ سب مصروفِ عبادت و مناجات ہوتے ہیں ۔ یہاں قرآن کے الفاظ غور طلب ہیں ۔ حافظوا علی الصّلوات فرمایا احفظوھا نہیں فرمایا ۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب مفاعلہ کا صلہ علیٰ آجائے تو اس وقت اس کے معنی بار بار اور علی الدوام کرنے کے ہوتے ہیں (المنار) یہاں بھی مقصد یہی بتانا ہے کہ بار بار ہمیشہ نماز ادا کرتے رہو ۔ یہ نہیں کہ ایک بار نماز ادا کر لی اور ہفتہ بھر کے لیے چھٹی مِل گئی ۔ اسلام میں نماز کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ۔ قرآن کریم میں اسکا حکم سو دفعہ کے قریب ہے ۔ حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام نے اسے دین کا ستون فرمایا ہے ۔ اور ہم مُسلمان ہو کر نماز کے مُعاملہ میں جتنی سُستی کرتے ہیں اس کی کوئی حد نہیں ۔ حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں ۔ ممکن ہے اس سے کوئی خوش نصیب ہدایت پا جائے ۔ من حافظ علیھا کانت لہ نورا و برھانا و نجاۃ یوم القیامۃ ومن لم یحافظ علیھا لم تکن لہ نورا و برھانا و نجاۃ و کان یوم القیامۃ مع قارون و فرعون و ھامان و ابی بن خلف (رواہ احمد و الطبرانی) ترجمہ : حضور نے فرمایا کہ جو نماز پابندی سے

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا

پھر اگر تم کو ڈر ہو (دشمن وغیرہ کا) تو پیادہ یا سوار (جیسے بن پڑے) ۳۱۲ پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو جس طرح

عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ

اُس نے سکھایا ہے تمہیں جو تم نہیں جانتے تھے - اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں تم میں سے ۳۱۳ اور

يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

چھوڑ جاتے ہیں بیویاں (انہیں چاہیئے کہ) وصیّت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ انہیں خرچ دیا جائے ایک سال تک (اور) نہ نکالا جائے (انہیں گھر سے

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ

پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر جو کچھ وہ کریں - اپنے معاملہ میں مناسب

ادا کرے گا قیامت کے دن یہ اس کے لیے نور ہو گی - اس کے ایمان کی واضح دلیل ہو گی - اور اس کی نجات کا باعث ہو گی - اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی تو اس کے پاس نہ نور ہو گا نہ اپنے ایمان کی کوئی دلیل اور نہ بخشش کا کوئی وسیلہ۔ اور اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا - اے اللہ ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کر اور اپنی عبادت اور اپنے محبوب کی اطاعت کی توفیق عطا فرما - آمین۔ بجاہِ حبیبك الكريم عليه افضل الصلوٰة والسلام -

۳۱۱ : درمیانی نماز سے کونسی نماز مراد ہے - اِس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ یہ نمازِ عصر ہے - حضرتِ علی - ابنِ مسعود و عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے - اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے جنگِ خندق میں عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی تو حضور ؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اِن کفّار کی قبروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں درمیانی نماز پڑھنے سے مصروف رکھا - ملأ الله بيوتهم وقبورهم نارًا كما شغلونا عن الصّلوٰة الوسطىٰ حتىٰ غابت الشمس - متفق عليه

۳۱۲ : یہ آیت نماز کی انتہائی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عبادت اِتنی اہم ہے کہ اسوقت بھی معاف نہیں ہوتی جب تمہیں دشمن کے حملہ کا اندیشہ ہو - ہاں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ پیدل چلتے چلتے یا اپنی سواریوں پر بیٹھے بیٹھے جدھر بھی رُخ ہو نماز ادا کرتے جاؤ۔

۳۱۳ : اِبتدائے اِسلام میں بیوہ کی عِدّت ایک سال تھی اور ایک سال کامل وہ شوہر کے ہاں رہ کر نان نفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی پھر ایک سال کی عدت تو آیۂ يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدّت چار ماہ دس دن مقرّر فرمائی گئی اور سال کا نفقہ آیت میراث سے منسوخ ہوا (حاشیہ صدر الافاضلؒ)

مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا

طور پر ۳۱۴ ۔ اور اللہ بہت زبردست بڑا دانا ہے ۔ اور (اسی طرح) جن کو طلاق دی گئی انکو خرچ دینا چاہیئے مناسب طور پر ۔ یہ

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ

ع ۳۱ ۷ ۱۵

واجب ہے پرہیزگاروں پر ۳۱۵ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم سمجھ جاؤ ۔ کیا نہیں

تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ص فَقَالَ

دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو نکلے تھے ۳۱۶ اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے ۳۱۷ تو فرمایا

لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ

انہیں اللہ تعالیٰ نے کہ مر جاؤ پھر زندہ فرمایا انھیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے لوگوں پر

۳۱۴ یعنی عدّت کی مدّت ختم ہونے کے بعد اگر وہ اپنے سابقہ خاوند کے گھر میں نہ رہنا چاہیں تو انہیں مجبور نہیں کیا جائیگا۔ بشرطیکہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو شریعت کے کسی قانون کے خلاف ہو یا اخلاق سے گرا ہوا ہو جس سے انکی ناموس داغدار ہو یا ان کے فوت شدہ خاوند کی بدنامی اور رُسوائی کا باعث ہو من معروف کی قید بڑھا کر انہیں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ ۳۱۵ شریعت نے مطلقہ عورت کے لیے عدّت مقرر کی ہے اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہ حاملہ تو نہیں۔ اس میں سراسر خاوند کے نسب کی حفاظت ملحوظ ہے گویا عورت ابھی اسی کے حقوق کی نگہداشت کے لیے محبوس ہے اس لیے اس کے اخراجات کی ذمہ داری خاوند کو سونپی گئی ۔ اور یہی عین انصاف ہے ۔

۳۱۶ کئی مفسرین نے کوشش کی ہے کہ جس قوم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے اس کا تعین کریں کہ وہ کونسی قوم تھی ۔ لیکن علامہ قرطبی نے ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ سب قصّے ناقابل اعتماد ہیں آیت کا مقصد مسلمانوں کو کسی گزشتہ قوم کے (جس کی تعیین مقصود نہیں) عمل سے عبرت دلانا ہے جو موت کے ڈر سے بھاگ نکلی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ موت جس سے وہ بھاگے تھے ان پر مسلّط کر دی ۔ پھر کچھ عرصہ بعد انھیں نئی زندگی عطا فرمائی ۔ اور اس طرح مارنے اور جلانے سے مدعا ان کو یہ سمجھانا تھا کہ موت سے بھاگنے کی کوشش کرنا بے سُود ہے ۔ نہ تم اپنی سعی و کوشش سے اپنی موت کو ٹال سکتے ہو اور نہ زندگی بڑھا سکتے ہو ۔ اور اس واقعہ کے ذکر کرنے سے اُمّت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو یہ بتانا مقصود تھا کہ تم ایسا مت کرنا ۔ وُہ کون تھے ؟ کہاں سے بھاگے تھے ؟ کیوں بھاگے تھے ؟ یہ ایسی تفصیلات ہیں جن میں اُلجھنے کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے قرآن نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

۳۱۷ جمہور کا قول یہ ہے کہ اُلُوْفٌ جمع ہے اَلْفٌ کی جس کا معنی ہزار ہے یعنی وُہ ہزاروں کی تعداد میں تھے ۔ اور بعض ائمہ لغت

لِكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا

لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور لڑائی کرو اللہ کی راہ میں ۳۱۸ اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سُننے والا سب کچھ جاننے والا ہے کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن ۳۱۹

(ابن زید) سے یہ بھی منقول ہے کہ اُلُوفٌ اَلِفٌ یا اِلفٌ کی جمع ہے۔ اب معنی ہوگا کہ وُہ ایسی حالت میں اپنے گھروں سے نکلے کہ وُہ ایک دُوسرے کے ساتھ پیار و محبّت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس آیت سے علماء کرام نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ اگر کہیں وبا پھُوٹ پڑے تو وہاں کے لوگوں کو بھاگ کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر تندرست بھاگ نکلے تو بیماروں کی تیمارداری کون کرے گا۔ نیز اس بھگدڑ سے ایسی خرابیاں پیدا ہوں گی جن کا پہلے اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اگر متعدّی مرض ہے تو ممکن ہے کہ ان کی وجہ سے بیماری کے جراثیم صحت مند علاقوں میں منتقل ہو جائیں اور وہاں بیماری پھیل جائے اور اس حکم کی سب سے بڑی حکمت جو بحیثیت دین، اسلام کے پیش نظر ہے وُہ یہ ہے کہ اس طرح لوگوں کا عقیدہ متزلزل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دُوسرے اسباب کو وُہ محیی و ممیت سمجھنے لگیں گے۔ جس طرح اسلام نے وبا زدہ علاقہ سے بھاگنے سے منع فرمایا اُسی طرح اُس میں داخل ہونے سے بھی روکا۔ حضُور علیہ السّلام نے فرمایا۔ فمن سمع به بارض فلا يقدمنّ عليه ومن كان بارض وقع بها فلا يخرج فرارا منه۔ (بخاری)

۳۱۸ یہ سبق خوب ذہن نشین کرانے کے بعد کہ موت و حیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں کوئی اپنے حیلہ سے موت کو ٹال نہیں سکتا اور نہ زندگی کو بڑھا سکتا ہے۔ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

۳۱۹ لُغتِ عرب میں قرض کا یہ مفہوم نہیں جو ہم اُردو میں اس سے سمجھا کرتے ہیں کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی اپنے پاس نہ تھی اس لیے دُوسرے سے اُدھار لے کر پُوری کر لی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو غنی حمید ہے ضرورت کے تصوّر سے بھی پاک ہے بلکہ القرض اسم لكل ما يلتمس عليه الجزاء (قرطبی) یعنی قرض ہر وُہ چیز یا عمل ہے جس پر جزاء اور بدلہ طلب کیا جائے۔ اب کسی قسم کا خلجان پیدا ہی نہ ہوگا۔ پہلے کیونکہ جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور جہاد کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اس حُسنِ بیان سے اہل اسلام کو اپنا سرمایہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے شوق دلایا جا رہا ہے یعنی یہ مت سمجھو کہ یہ رقم خرچ ہو گئی تو پھر واپس نہیں ملے گی بلکہ اللہ تعالیٰ اس کا تمھیں کئی گنا معاوضہ دے گا۔ قرض اگر بمعنی مفعول ہو تو حسن کی صفت سے یہ مُراد ہوگا کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو وُہ حلال اور پاک ہو۔ اور اگر قرض اپنے مصدری معنی میں ہی استعمال ہوا ہو تو پھر حسن سے مُراد یہ ہوگا کہ قرض دو تو خلوص سے دو۔ خوشی خوشی دو۔ منصوب على المفعولية اى مقرضا حلالا طيبا او على المصدرية اى قرضا مقرونا بالاخلاص وطيب النفس (مظہری)

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَيْهِ

تو بڑھادے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے ۳۲۰ اور اسی

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی

کی طرف تم لوٹائے جاؤگے کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو ۳۲۱ بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا

اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

جب کہا انھوں نے اپنے نبی سے کہ مقرر کردو ہمارے لیے ایک امیر ۳۲۲ تاکہ لڑائی کریں ہم اللہ کی راہ میں نبی نے کہا

۳۲۰ اور یہ بھی خوب ذہن نشین کرلو کہ رزق کی تنگی اور فراخی اللہ قادر کریم کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اس کی راہ میں خرچ کروگے تو وہ اپنی رحمت کے خزانوں کے منہ کھول دے گا۔ اور اگر بخل کیا تو کوئی بعید نہیں کہ وہ ناراض ہو جائے اور تمھیں محتاج ومفلس بنا دے۔

۳۲۱ مَلَأ سے مراد قوم کے رؤسا اور شرفا ہیں۔ ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً تین سو سال بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ہزار گیارہ سو سال پہلے کا ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ جس کا مختصر حال یہ ہے کہ عمالقہ فلسطین کے اکثر حصوں پر قابض ہو گئے تھے اور بنی اسرائیل رامہ کے علاقہ میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اس وقت جو اُن کے نبی اور حکمران تھے ان کا نام سموئیل تھا۔ وہ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ عمالقہ کی ایذا رسانیاں اور زیادتیاں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔ بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ عمالقہ کی سرکوبی کریں اور اپنا کھویا ہوا اقتدار اور حکومت واپس لیں۔ اس لیے اُنھوں نے بار بار اپنے نبی حضرت سموئیل سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے ایک ملک (سردار) کا سوال کریں۔ حضرت سموئیل ان کی عادات سے خوب واقف تھے کہ یہ دعوے تو بڑے لمبے چوڑے کرتے ہیں لیکن عمل کے وقت ان کا سارا جوش سرد پڑ جاتا ہے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر جہاد فرض کرے اور تم جہاد سے منہ موڑ جاؤ۔ کہنے لگے حضرت جی! کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جہاد نہ کریں حالانکہ ہمیں گھروں سے نکالا گیا اور اپنے بچوں سے جدا کر دیا گیا۔ ہم تو صرف اذنِ ربانی کے منتظر ہیں لیکن جب اُنھیں اجازت مل گئی تو گنتی کے چند آدمیوں کے سوا سب نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔

۳۲۲ بعض لوگ جب قرآن کی ان آیتوں میں ملک کا لفظ پڑھتے ہیں تو انھیں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اسلام ملوکیت کا حامی ہے۔ اور سیاسی طور پر شاہی نظام کا علمبردار ہے۔ اس لیے ہمیں ملک کے لفظ کی تحقیق کر لینا ضروری ہے۔ اکثر مفسرین جن میں بیضاوی بھی ہیں، نے ’ابعث لنا ملکا‘ کا معنی کیا ہے اقم لنا امیرا ننھض معه للقتال یدبر امره۔

وقف لازم

هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا

کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو وُہ کہنے لگے (کوئی وجہ) نہیں

لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ

ہمارے لیے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور

اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ

اپنے فرزندوں سے مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو مُنہ پھیر لیا اُنھوں نے بجز چند نے ان میں سے اور

اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ

اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور کہا اُنھیں اُن کے نبی نے بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے

یعنی ہمیں ایک امیر اور قائد عطا فرما جس کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر ہم جہاد کریں اور جنگ کا سارا انتظام اس کی نگرانی میں ہو تو اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ یہاں ملک سے مُراد سپہ سالار ہے اور عربی زبان میں لفظ ملک رئیس اور امیر کے معنی میں عام مستعمل ہوتا ہے۔ نیز ایک بات یہاں اور بھی غور طلب ہے کہ مُلوکیّت یا شاہی نظامِ حکومت کا مفہوم یہ ہے کہ رئیس حکومت مُطلق العنان بادشاہ ہوا کرتا ہے۔ قانون سازی، انتظامِ مملکت، حکومت کے سارے خزانے اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ سب اس کے سامنے جواب دِہ ہوتے ہیں۔ اور وُہ کسی کے سامنے اپنے کسی فعل کے لیے جواب دِہ نہیں ہوتا۔ یہاں جب حضرت سموئیل نبی موجود ہیں تو قانون وُہی ہو گا جو ان کی شریعت کا ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ انھیں کے پاس ہو گا۔ ان کی موجودگی میں کسی ایسے شخص کے تقرر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو مُطلقُ العنان اور مُختارِ کُل ہو۔ اس لیے صرف لفظ ملک سے اسلام پر نظامِ مُلوکیّت کا الزام لگانا سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ دُوسرے یہ واقعہ تو بنی اسرائیل کا ہے۔ اور جو کچھ اُنھوں نے کہا قرآن نے اُسے بیان کر دیا۔ اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ قرآن نے اُن کے اِس مطالبہ کو پسند کیا۔ اور مُسلمانوں کو شاہی نظام اختیار کرنے کا حُکم دیا۔ بلکہ بائبل کے باب سموئیل اوّل میں جو آیات ہیں وُہ وضاحت کرتی ہیں کہ ان کے اِس مطالبہ کو نہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور نہ اللہ کے نبیؑ نے۔

لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ

تمھارے لیے طالوت کو امیر ۳۲۳ بولے کیونکر ہو سکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر حالانکہ ہم زیادہ حقدار ہیں

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ

حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فراخی مال و دولت میں نبی نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے

عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ

اسے تمھارے مقابلہ میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک

مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ

جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے اور کہا انھیں اُن کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

کہ آئے گا تمھارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمھارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

جنھیں چھوڑ گئی ہے اولادِ موسیٰ اور اولادِ ہارون اُٹھالائیں گے اس صندوق کو فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمھارے لیے

۳۲۳ ان کی خواہش اور اصرار کے باعث اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جب اُن کا سردار اور سپہ سالار مقرر فرما دیا تو لگے اعتراض کرنے کہ یہ شخص نہ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہے جس میں نبوت نسلاً بعد نسل چلی آتی ہے اور نہ یہود ابن یعقوب کی اولاد سے ہے جن میں حکومت وسلطنت پُشت در پُشت چلی آرہی ہے) تو یہ نادار اور قلاش کب سردارِ قوم اور سالارِ لشکر بن سکتا ہے۔ امامت کے حقدار تو ہم ہیں۔ جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ حضرت سموئیل علیہ السلام نے اُنھیں بتایا کہ حکومت کے لیے تمھارا قائم کردہ معیار درست نہیں بلکہ اس کا صحیح معیار تو علم وشجاعت ہے۔ اور ان دونوں باتوں میں وہ تم سب سے ممتاز ہے۔ بائبل میں ہے کہ یہ تیس سالہ نوجوان اپنے حسن وجمال میں بے نظیر تھا۔ اس کی قامت کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ دوسرے لوگ مشکل سے اس کے کندھوں تک پہنچ سکتے تھے اور یہ بن یامین کی نسل سے تھا حضرت سموئیل نے اُنھیں بتایا کہ طالوت کا انتخاب انسانی انتخاب نہیں بلکہ ربّ العزت نے خود اسے تمھاری قیادت کے لیے منتخب فرمایا ہے تمھیں اس کی عطا وبخشش پر معترض نہیں ہونا چاہیے۔

ع ۳۲ ۱۶

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

اگر تم ایمان دار ہو ۳۲۴ پھر جب روانہ ہوا طالوت ۳۲۵ اپنی فوجوں کے ساتھ اس نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ

مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ

آزمانے والا ہے تمھیں ایک نہر سے سو جس نے پانی پی لیا اس سے وُہ نہیں میرے ساتھیوں سے اور جس نے نہ پیا

فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا

وُہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے مگر جس نے بھر لیا ایک چلّو اپنے ہاتھ سے پس سب نے پیا اس سے مگر چند آدمیوں نے

۳۲۴ بنی اسرائیل بھلا کب آسانی سے اپنی ضد سے باز آنے والے تھے فوراً مطالبہ کیا کہ آپ دلیل پیش کیجیے کہ طالوت کا انتخاب واقعی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اُس وقت اُن کے نبی نے اُنھیں فرمایا کہ اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ وُہ صندوق جس میں تمھاری تسکین وطمانینت کا سامان ہے اور جس میں حضرت موسٰی وہارُون علیہما السّلام کے تبرّکات تھے اور جو عمالقہ تم سے چھین کر لے گئے تھے وُہ تمھیں فرشتے واپس کر دیں گے۔ اور اگر تم میں ایمان ہے تو اِس سے بڑھ کر تمھیں کسی مزید نشانی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جب فرشتے اس صندوق کو اُٹھائے ہُوئے یا اس بیل گاڑی کو ہانکتے ہُوئے جس پر تابوت رکھا تھا بنی اسرائیل کے پاس لے آئے تو اب انھیں طالوت کے ملک بننے کے متعلق اطمینان ہو گیا۔ نیز انھیں ڈھارس بندھ گئی کہ اب وُہ یقیناً فتحیاب ہوں گے کیونکہ انبیائے کرام کے تبرّکات والا صندوق جس میں حضرت موسٰی کا عصا اور پارچات اور حضرت ہارُون کا عمامہ تھا اُنھیں واپس مل گیا ہے۔ اِس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وُہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور دُشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ناخن، بال مُبارک تبرّک کے طور پر پاس رکھا کرتے۔ حضرت خالد کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ایک بال شریف رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد فرماتے ہیں کہ جب معرکہ میں مَیں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب وکامران کرتا ہے۔

۳۲۵ جب طالُوت عمالقہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہُوئے تو ان کے ہمراہ بنی اسرائیل کا ایک انبوہِ کثیر تھا۔ راستہ میں ایک نہر (ممکن ہے دریائے اُردن ہی ہو) پر سے گزر ہوا تو اُنھیں حکم ملا کہ اب تمھارا امتحان لیا جائے گا اور وُہ امتحان یہ ہے کہ اس نہر سے پانی پینے کی اجازت نہیں۔ جس نے پانی پیا وُہ میرا سپاہی نہیں۔ ہاں اگر پیاس کی شدّت ہو تو ایک چلّو بھر کر پی لو اس سے زیادہ نہیں۔ اب کیا تھا سب ٹوٹ پڑے اور خوب سیر ہو کر پانی پیا سوائے چند مخلصین کے جو اِس امتحان میں کامیاب رہے اور جن کی تعداد صحیح روایت کے مطابق ۳۱۳ تھی۔ باقی جتنے لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے انھوں نے لشکر سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا

ان سے (نہیں پیا) پھر جب ۳۲۶ عبور کیا اسے طالوت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ۔ کہنے لگے کچھ طاقت

الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا

نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی (مگر) کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں

اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ

اللہ سے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا

صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب سامنے آگئے ۳۲۷ جالوت اور اس کی فوجوں کے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے رب!

صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ ؕ فَهَزَمُوْهُمْ

اُتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر پس انھوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو

۳۲۶ اب طالوت اپنے مٹھی بھر جانباز سپاہیوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے لیکن جب اُنھوں نے جالُوت کا لشکرِ جرار دیکھا تو سہم گئے اور کہنے لگے کہ جالوت کے اِتنے بڑے لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت ہم میں کہاں لیکن انھیں کے چند مخلص ترین ساتھیوں نے ان کی ہمت بندھائی اور انھیں بتایا کہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے پہلے بھی بارہا ایسے واقعات ہو گزرے ہیں جب کہ اس کی نصرت اور تائید سے چھوٹی سی جماعت نے بڑی بڑی فوجوں کو شکست فاش دی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ان لوگوں کے ضرور شریکِ حال ہوتی ہے جو حق و صداقت کے لیے صبر و ثبات سے کام لیتے ہیں۔

۳۲۷ جب وہ جانباز سر ہتھیلیوں پر رکھے میدان میں نکلے تو بارگاہِ ربّ العزّت میں دُعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور اپنے لیے صبر و استقامت کی دُعا کی اور پھر دُشمن کی شکست کا سوال کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح و نصرت حاصل کرنے کے لیے صبر اور ثابت قدمی شرطِ اوّلیں ہیں۔ جو قوم یا فرد میدانِ جہاد یا میدانِ عمل میں شدائد اور تکالیف کے سامنے صبر و استقامت سے کام لیتا ہے وُہی کامیاب ہوتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ مومن کے پاس سب سے زیادہ موثر ہتھیار دُعا ہے جس کا اس کے دُشمن کے پاس کوئی جواب نہیں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی سُنّتِ طاہرہ بھی یہی تھی۔

بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۟ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ

اللہ کے اِذن سے ۳۲۸ اور قتل کردیا داؤد نے جالوت کو ۳۲۹ اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور

عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ

سکھا دیا اس کو جو چاہا اور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ ۳۳۰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعہ تو

لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۵۱﴾

برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر

تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَـتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں انھیں آپ پر (اے حبیب) ٹھیک ٹھیک اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں

۳۲۸ ان مُٹھی بھر مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے دُشمن کے لشکرِ جرّار کو شکستِ فاش دے دی۔

۳۲۹ عمالقہ کے سپہ سالار جالُوت کو جو بڑا بہادر اور کُہنہ مشق جرنیل تھا حضرت داؤد علیہ السّلام نے پتھر مار کر ہلاک کر دیا حالانکہ حضرت داؤد اُس وقت بالکل کم سِن تھے۔ زرد رُو اور لاغر و بیمار تھے۔

۳۳۰ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت ہے کہ جب کوئی ظالم ظُلم وستم پر کمربستہ ہوتا ہے تو اس کی ہلاکت انگیزیوں کی روک تھام کے لیے ایک اور قوم پیدا کر دی جاتی ہے جو اس کے مظالم کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنی حکمت اور قدرت سے طاقت کا توازن یُوں قائم نہ رکھے تو سرکش افراد اور قومیں آبادیوں کو کھنڈرات میں اور بستیوں کو وِیرانوں میں تبدیل کر دیں اور زمین کے کسی گوشہ میں اِنسان کو امن کا سانس لینا نصیب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر یہ بڑا احسان ہے کہ ہر فرعون کی سرکوبی کے لیے وُہ مُوسٰی پیدا فرما دیتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ

یہ سب رسول ، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر ۳۳۱ ان میں سے کسی سے

كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزندِ مریم کو

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ

کھلی نشانیاں اور مدد فرمائی ہم نے ان کی پاکیزہ رُوح سے ۳۳۲ اور اگر چاہتا ۳۳۳ اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) وُہ لوگ

۳۳۱ اللہ تعالیٰ کے سب رسُول نفسِ رسالت میں اور جملہ انبیا نفسِ نبوّت میں برابر ہیں لیکن فضائل و کمالات، مراتب و مقامات، معجزات و کرامات میں ایک دُوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کسی کو ایک کمال سے متصف فرمایا کسی کو دُوسرے شرف سے مشرّف فرمایا لیکن ایک ذاتِ پاک مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ہے جو مظہرِ اتم ہے تمام کمالاتِ جلالیہ اور جمالیہ کی جو مراتب و کمالات دیگر انبیا و رُسل کو ایک ایک کر کے عنایت کیے گئے تھے وُہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صُورت میں حضور کریمؐ کو عطا فرمائے گئے اور ان کے علاوہ ایسے بے شمار مراتب اور ان گنت معجزات بخشے جن میں کوئی نبی کوئی رسُول ہمسری تو کیا محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ حضورؐ کو ساری نوعِ انسانی بلکہ ساری کائناتِ زمینی اور آسمانی کیلیے نبی بنایا گیا محدود وقت کے لیے نہیں بلکہ ابد تک کے لیے قرآن جیسی کتاب ارزانی فرمائی رحمۃ للعٰلمین کے خطاب سے نوازا ختمِ نبوّت و رسالت کا تاج زیبِ سر فرمایا۔ کسی کو صفی، کسی کو خلیل، کسی کو کلیم اور کسی کو رُوح فرمایا لیکن کائنات کے اس آخری سہارے کو صفوت، خلت، کلام وغیرہ کے علاوہ محبُوبیّت کی خلعتِ فاخرہ بخشی۔ مفسّرین کرام نے تصریح کی ہے کہ رفع بعضھم درجٰت سے حضور کریم محمّد رسُول اللہ علیہ الصلاۃ والسّلام مُراد ہیں لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی نبی کو دُوسرے نبی پر یُوں فضیلت نہ دو کہ اس سے دُوسرے نبی کی معاذ اللہ تحقیر ہو۔ قال النحاس بعضہم ھنا علی قول ابن عباس والشعبی ومجاھد محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم (قرطبی وغیرہ)

۳۳۲ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے نام کی تصریح فرما دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ جلیل القدر رسُول اپنوں اور بیگانوں کی افراط و تفریط کا نشانہ بن کر رہ گیا تھا۔ نصاریٰ نے انھیں خُدا کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اور یہود انھیں ایک شریف انسان بھی ماننے کے لیے تیّار نہ تھے۔ اِس لیے ان کا نام لیا اور ابن مریم یعنی مریم کا بیٹا کہہ کر ان کی الُوہیّت کا بطلان کر دیا اور ایدناہ بروح القدس فرما کر یہُود کی الزام تراشیوں کا ردّ کر دیا کہ وُہ تو صاحبِ آیاتِ بیّنات نبی ہے جس کی تائید کے لیے ہم نے رُوح القدس (جبریلِ امینؑ) کو مقرر کیا ہے۔

۳۳۳ اگر انسان اِس آیت میں کماحقّہٗ تامّل نہ کرے تو وُہ آسانی سے اس غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے کہ انسان مجبُورِ محض ہے۔ اس کے اپنے بس میں کچھ نہیں ایک غیر مرئی قوّت (اسے تقدیر کہہ لیجیے) کے ہاتھ میں یہ ایک کھلونا ہے اِس کا کوئی اچھا یا بُرا فعل اس کی ہر شائستہ اور ناشائستہ حرکت اس کے اپنے ارادہ سے سرزد نہیں ہوتی بلکہ اس سے جبراً کرائی جاتی ہے لیکن اگر آپ ذرا غور و فکر کی زحمت گوارا کریں گے تو آیت کے الفاظ ہی آپ کی اِس غلط فہمی کو دُور کر دیں گے۔ اختلفوا (وُہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) فمنھم من آمن (ان میں سے بعض نے

مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا

جو ان (رسولوں) کے پیچھے آئے بعد اس کے کہ آگئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکن انھوں نے اختلاف کیا

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ

ان میں سے کوئی ایمان پر (ثابت) رہا اور ان میں سے کوئی کافر ہو گیا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے)

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝٢٥٣ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا

لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے اے ایمان والو! ٣٣٤ خرچ کرو اس

ایمان قبول کیا) ومنھم من کفر (اور ان میں سے بعض نے کفر اختیار کیا) یہ تینوں فعل بغیر فاعل کے ارادہ اور اختیار کے صادر نہیں ہو سکتے کیونکہ ان سب کا تعلق ظاہری اعضا سے نہیں جن پر جبر کا قانون چل سکتا ہے بلکہ ان کا تعلق ذہن اور قلب سے ہے۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فکر کی صلاحیت بخشی اور عمل کی قوت عطا فرمائی۔ پھر انبیاء کے ذریعہ اس پر ہدایت کا راستہ روشن اور واضح کر دیا لیکن اسے صرف سیدھے راستہ پر چلنے کے لیے مجبور نہیں فرمایا بلکہ اسے اتنا اختیار دیا کہ وہ ہدایت کی راہ پر چل نکلے یا گمراہی کی راہ پر۔ بعض لوگوں نے عقل و فکر سے کام لیتے ہوئے اپنی مرضی سے راہ راست اختیار کی اور بعض نے نفسانی شہوات اور دنیاوی خواہشات پر اپنی خوشی سے اپنی روحانی ترقی کو قربان کر دیا۔ ولو شاء اللہ ما اقتتلوا سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے اس سے وہ قدرت خداوندی سے باہر نہیں نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے جس طرح اس نے انسان کو عمل کرنے کی آزادی دی ہے وہ اس سے یہ آزادی سلب کر کے اسے صرف راہ راست پر چلنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ اور اس طرح اختلاف کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے لیکن مصلحت عامہ اور حکمت بالغہ کا تقاضا یہی ہے کہ حق و باطل کی یہ آویزش جاری رہے۔ ہر شخص اپنی مرضی سے حق و باطل میں سے جسے چاہے اختیار کرے۔

٣٣٤ سابقہ آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق و باطل کی جنگ جاری رہے گی اور اس جنگ میں حق کو مظفر و منصور کرنے کیلئے اہل حق کو جانی قربانیوں کے ساتھ ساتھ مالی قربانیاں بھی دینا ہوں گی اس آیت میں مسلمانوں کو یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ یہ مال و دولت جو تمھیں تمھارے رب نے عطا فرمایا ہے اور جس طرح چاہو اس کو خرچ کرنے کی تمھیں مہلت دی ہے یاد رکھو! یہ مہلت صرف اس وقت تک کے لیے ہے جب تک تمھاری زندگی کا یہ چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ جس دن یہ بجھ گیا مہلت ختم۔ جس نے اس اختیار اور مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا قیامت کے دن وہ حرماں نصیب کیا کرے گا اس روز نہ تو خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ وہاں کوئی دنیاوی بھائی چارہ کام آئے گا اور نہ کسی کی (بغیر اذن الٰہی) سفارش ہو گی۔ اس آیت سے بعض لوگ جلد بازی سے حضور کریم علیہ الصلاۃ والسلام اور اولیاء کرام کی شفاعت اور ان کی محبت اور غلامی کی برکات کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہے۔ الاخلاء

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ

(مال) سے جو ہم نے دیا ہے تم کو اس سے پہلے کہ آ جائے وُہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو گی اور نہ (کفّار کے لیے)

لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

دوستی ہو گی اور نہ (ان کے لیے) شفاعت ہو گی اور جو کافر ہیں وُہی ظالم ہیں اللہ ۳۳۵ (وُہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے ۳۳۶

اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

زندہ ہے ۳۳۷ سب کو زندہ رکھنے والا ہے ۳۳۸ نہ اس کو اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند ۳۳۹ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے ۳۴۰

یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی یعنی ان مردانِ خدا کی دوستی اس روز بھی قائم رہے گی اور کام آئے گی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شفیع المذنبین ہونا تو قرآن کی متعدد آیات اور کثیر احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے اور عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا میں تو رحمۃ للعالمین کو مقامِ محمود (یعنی شفاعت کبریٰ) پر سرفراز ہونے کی بشارت دی جا رہی ہے اس لیے قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جس سے دوسری آیتوں کی تغلیط ہوتی ہو کسی ایماندار کے شایانِ شان نہیں۔

۳۳۵ اس آیت کو آیۃ الکرسی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی کا واضح اور روشن ترین بیان ہے اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ان اعظم اٰیۃ فی القراٰن اٰیۃ الکرسی قرآن کی سب سے عظیم الشان آیت آیۃ الکرسی ہے احادیث میں اس کے بڑے فضائل مذکور ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک فرمان سُن لیجیے من قرأ اٰیۃ الکرسی فی دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الموت جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اس کے فوت ہونے کے بعد جنت میں داخل ہونے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اب اس عظیم الشان آیت کی مختصر سی توضیح ملاحظہ ہو:۔

۳۳۶ اللہ ذاتِ باری کا عَلَم (نام) ہے اور یہ لفظ ان تمام صفات کا جامع ہے جو متعدد صفاتی ناموں میں الگ الگ پائی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ وُہ ذات پاک جس کا نام اللہ ہے صرف وُہی معبودِ برحق ہے اس کے بغیر اور کوئی نہیں جو عبادت کیے جانے کے لائق ہو۔

۳۳۷ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا موت اور فنا کے نقص سے بہت پاک اور نہایت بلند ہے۔

۳۳۸ القیوم یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اصل میں قیووم تھا صرفی تعلیل سے قیّوم بن گیا اس کا مصدر قیام ہے اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے مختلف تعبیریں اختیار کی گئی ہیں لیکن حضرت قتادہ سے جو عبارت منقول ہے وُہ زیادہ جامع معلوم ہوتی ہے۔ القیوم: القائم بتدبیر خلقہ من انشاءہم ابتداء وایصال ارزاقھم الیھم۔ یعنی وُہ ہستی جو کائنات کی ہر چیز کی تخلیق، نشوونما اور بقاء کی تدبیر فرمانے والی ہے۔

۳۳۹ پہلے اس کی صفاتِ کمال کا بیان تھا اب جملہ نقائص سے اس کی پاکی بیان کی جا رہی ہے کہ اس کی قیومیت کا تعلق ہر چیز سے ہر وقت ایک طرح کا ہے۔ یہ اُونگھتا نہیں کہ اس وقت اس کی قیومیت کا تعلق کمزور ہو جائے وُہ سوتا نہیں کہ یہ تعلق منقطع ہو جائے۔

۳۴۰ یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز نوری ہو یا خاکی قیمتی ہو یا حقیر سب کے گلے میں بلا استثنا اس کی بندگی کا طوق آویزاں ہے پھر کون ہے جو اس کی

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ

اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے جانتا ہے ۳۴۱

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ

جو ان سے پہلے (ہو چکا) ہے اور جو ان کے بعد (ہونے والا) ہے اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے

عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَ

علم سے مگر جتنا وہ چاہے سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو ۳۴۲ اور

لَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾ لَا إِكْرَاهَ فِي

نہیں تھکاتی اُسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وُہی ہے سب سے بلند عظمت والا کوئی زبردستی نہیں ہے

ہمسری کا دعویٰ کرے یا کسی کو اس کا ہمسر خیال کرے وُہی ایک اللہ ہے باقی سب اس کے بندے، اس کے مملوک اور تابع فرمان ہیں۔

۳۴۱ یہاں ایک قاعدہ بیان فرما دیا کہ ہر شخص کو بارگاہِ ذُو الجلال میں لب کشائی اور شفاعت کی طاقت نہ ہوگی۔ صرف وُہی شفاعت کریگا جس کو پروردگارِ عالم نے اذن فرمایا۔ بتانا یہ ہے کہ اے مشرکین و کفّار! قیامت کے دن تو وُہی شفاعت کرے گا جسے اجازت ہوگی اور تمہارے ان بُتوں کو تو کوئی اجازت نہیں پھر ان سے یہ توقع عبث کیوں لگائے بیٹھے ہو۔ اور اِلّا باذنہ سے یہ واضح فرمایا کہ وُہ محبوب و مقبول بندگانِ خدا ضرور شفاعت کریں گے جن کو ان کے رب نے اجازت مرحمت فرمائی ہوگی۔ سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اللہ کا محبوب و حبیب محمّد مصطفےٰ علیہ افضل التحیۃ و اجمل الثناء ہوں گے جو اس روز مقامِ محمود کے منصبِ رفیع پر متمکن ہوں گے۔ اے اللہ کریم! ہم گناہ گاروں کو اپنے رسولِ صاحبِ مقامِ محمود کی شفاعت نصیب فرما اور اس کی برکات و توجہات سے ہمیں دُنیا و آخرت میں سرفراز رکھ (آمین ثم آمین)

۳۴۲ مفسّرین کرام نے الکرسی کی تفسیر میں متعدّد اقوال نقل کیے ہیں اور ان اقوال سے علّامہ ابن جریر نے حضرت ابنِ عبّاس کا یہ قول پسند کیا ہے۔ قال ابن عباس کرسیه علمه ورجحه الطبری قال منه الکراسة التی تضم العلم وقیل للعلماء الکراسی (قرطبی) ترجمہ: حضرت ابنِ عباس نے فرمایا کہ کرسیه سے مُراد اس کا علم ہے ابنِ جریر طبری نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی سے کراسۃ ماخوذ ہے جس کے معنی اس دفتر کے ہیں جس میں علم منضبط کیا جاتا ہے۔ اور عربی میں علماء کو کراسی بھی کہا جاتا ہے علّامہ قرطبی نے اس کی سند کے طور پر ایک شعر بھی نقل کیا ہے لیکن حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے یہ بھی منقول ہے یا اباذر ما السموات السبع مع الکرسی الا کحلقة ملقاة فی ارض فلاة۔ کہ کرسی کی وُسعت و فراخی کے سامنے سات آسمان یُوں معلوم ہوتے ہیں جیسے ایک وسیع صحرا میں ایک مُندری پڑی ہو۔ بعض لوگ مخلوقاتِ خداوندی کی وُسعت و عظمت کا تصوّر جب اپنے ذہنوں میں نہیں کر پاتے تو بڑی

الدِّيۡنِ ۚ قَدۡ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَيِّ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ

دین میں ۳۴۳؎ بے شک خوب واضح ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو انکار کرے شیطان کا ۳۴۴؎

وَيُؤۡمِنۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا انۡفِصَامَ

اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اُس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا

حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اتنی بڑی چیز کے وجود سے ہی انکار کر دیتے ہیں اور اپنی قابلیت ان آیات کی بعید از کار تاویلات کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔

۳۴۳؎ اسلام کے دشمنوں نے اسلام پر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا جو الزام لگا رکھا ہے قرآن نے پہلے ہی اس کا رد کر دیا تھا کہ دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبر و اکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ نیز اسلام بحیثیت دین، انسان کی باطنی اور قلبی اصلاح اور درستی کرنا چاہتا ہے۔ اگر کسی کے گلے میں آپ جبراً پھندا ڈال دیں تو کیا اس کی رُوحانی اصلاح ہو جائے گی اور کیا اسلام کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسے شخص کو مسلمان کرنے میں اسلام کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ یہ تو ہوا اس بہتان کا نظری تجزیہ اب آپ عملی پہلو پر نگاہ ڈالیئے۔ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج ہند و پاک کے میدانوں میں، مراکش کے صحراؤں میں، ہمالہ کی چوٹیوں اور بحرِ اوقیانوس کے دُور افتادہ جزیروں میں، یورپ کے ہنگامہ زا شہروں میں اور ایشیا کے بیشتر ممالک میں ہر روز پانچ دفعہ اذان کی آواز گونج رہی ہے۔ کیا جس دین کو ظلم و ستم کے خوف سے قبول کیا گیا ہو اس سے لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم ہوا کرتا ہے۔ بلکہ یہاں تو اسلام کے متوالوں کو ستایا گیا۔ ان پر ظلم توڑے گئے۔ انہیں تختۂ دار پر سرِ راہ لٹکایا گیا۔ پروپیگنڈے کے طوفان اُمڈ اُمڈ کر آئے لیکن اپنا سر پٹخ پٹخ کر رہ گئے ان اللہ کے بندوں کو جو عقیدت اپنے رب سے تھی، جو عشق اپنے محبوب اور پیارے رسول سے تھا، جو شیفتگی اپنے اس دین برحق سے تھی اس میں کمی نہ ہوئی لیکن ایک اور چیز بھی پیش نظر رہے۔ اسلام جس طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وُہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے انھیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اسلام کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے۔ اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اسلام اُس وقت اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وُہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں اور یہی اسلام کا نظریۂ جہاد ہے۔ اسلام کے بعض نکتہ چین جہاد کو اکراہ فی الدین سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں وُہ سُن لیں کہ اسلام اُن کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنانِ دین و ایمان کے جور و ستم کا تختۂ مشق بننے کی اجازت نہیں دے گا۔

۳۴۴؎ طاغوت طغیان سے ہے جس کا معنی سرکشی ہے۔ قال الجوھری والطاغوت الکاھن والشیطان وکل راس فی الضلال (قرطبی) یعنی طاغوت کاہنوں کو بھی کہا جاتا ہے جو غیب دانی کے جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھنسایا کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق

لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾ اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم

نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے اللہ مددگار ہے ۳۴۵ ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انھیں

مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ

اندھیروں سے نور کی طرف اور جنھوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں

يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ

نکال لے جاتے ہیں انھیں نور سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ ٣٤ ع ٢

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں کیا نہ دیکھا آپ نے (اے حبیب!) اسے جس نے جھگڑا کیا ۳۴۶ ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس

آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ

وجہ سے کہ دی تھی اسے اللہ نے بادشاہی جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے (اسے) کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے

شیطان پر بھی ہوتا ہے اور وہ شخص بھی طاغوت ہے جو کسی گمراہ مذہب، غلط نظریہ اور مضر عمل کا بانی اور کرتا دھرتا ہو۔ لیکن قرآن کی اس آیت کو آپ پڑھیے۔ یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ۔ اس سے آپ کو طاغوت کی اور قسم بھی معلوم ہوگی یعنی وہ بھی طاغوت ہے جو احکامِ الٰہی کے خلاف اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔ طاغوت واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

۳۴۵ قال الخطابی الولی الناصر ینصر عبادہ المؤمنین یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے انھیں وہ اپنی توفیق اور امداد سے ہر قسم کی گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں پہنچاتا ہے۔ کیونکہ گمراہیاں طرح طرح کی ہیں اس لیے لفظ جمع ظلمات سے تعبیر کیا اور ہدایت کیونکہ ایک ہی ہے اس لیے وہاں واحد کا لفظ استعمال فرمایا۔

۳۴۶ وہ شخص جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ ہوا وہ نمرود تھا۔ جو عراق کا بادشاہ تھا اور جس کی حکومت دُور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ حکومت واقتدار کے نشہ میں اُس نے اپنے مالکِ حقیقی کو بھلا دیا اور خود خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب شرک والحاد کے خلاف جہاد شروع کیا اور اس مٹی کے ناچیز پتلے کو رب ماننے سے صاف انکار کر دیا تو نمرود نے سرِ مجلس آپ سے آپ کے رب کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا میرا رب تو وہ ہے جو ہر چیز کو زندہ کرنے والا اور مارنے والا

حضرت ابراہیم کا اُر سے کنعان تک سفر

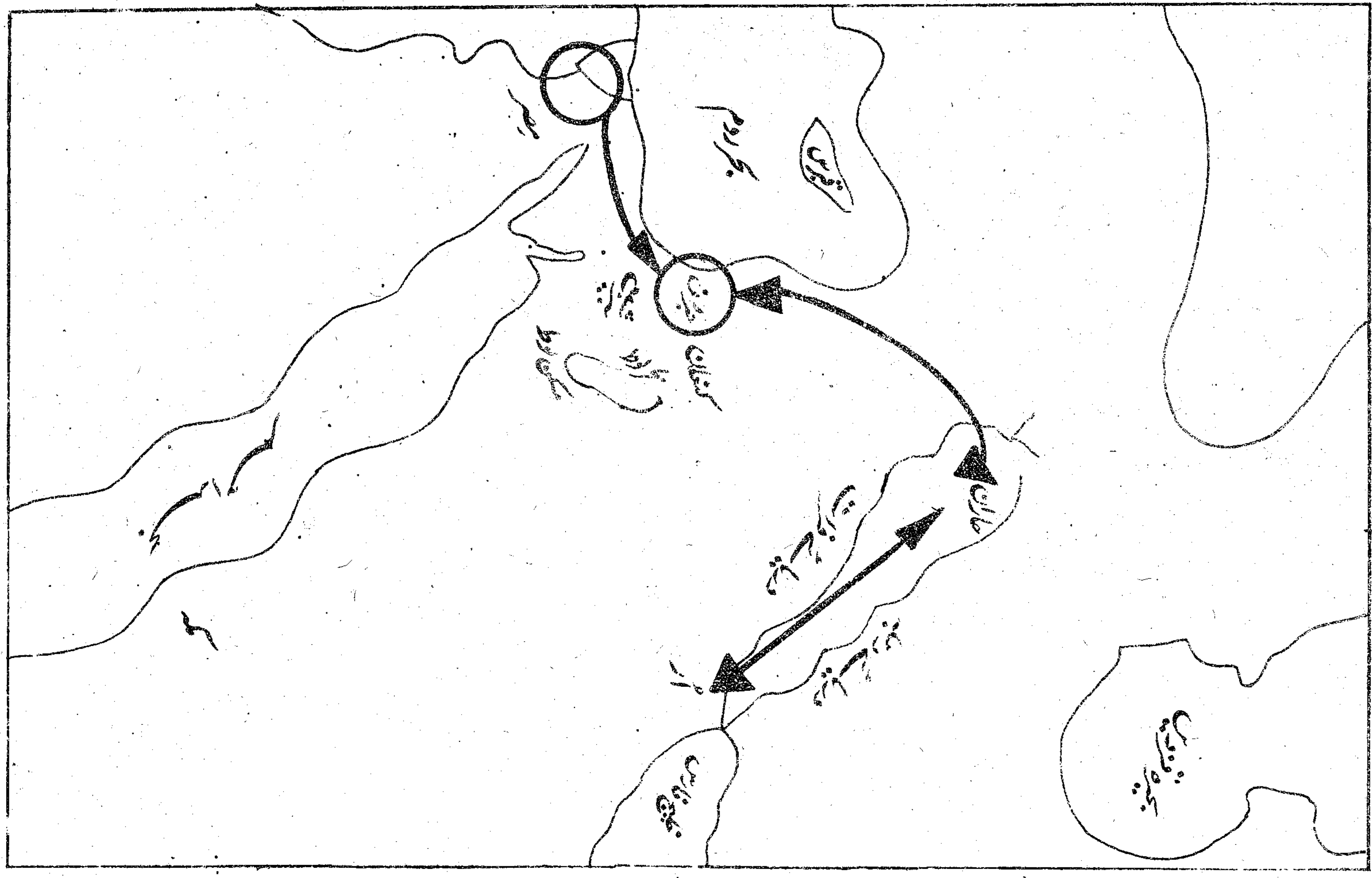

نقشہ متعلقہ آیات ۲۵۸. البقرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اُر کے مقام پر ہوئی جو عراق کا ایک قدیم شہر ہے. یہیں آتشکدہ نمرود کا واقعہ رونما ہوا. اس کے بعد آپ نے اُر سے ہجرت اختیار کی۔ پہلے حاران تشریف لے گئے. کچھ عرصہ قیام کے بعد فلسطین کا رُخ کیا. بیت ایل، حبرون اور بیر شبع کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا. پھر حضرت لوط کو جو آپ کے بھتیجے تھے، بحر لوط کے مشرق میں متعین کیا. وہاں سے آپ نے مصر کا قصد فرمایا جو اس زمانہ میں عراق کے بعد تہذیب و تمدن کا دوسرا عظیم الشان گہوارہ تھا. حکم الٰہی کے بعد وہاں سے مکہ تشریف لے گئے اور کعبۃ اللہ کی تعمیر فرمائی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وہاں اپنا جانشین مقرر کیا، پھر فلسطین واپس آئے. جبرون میں اقامت اختیار کی. یہیں آپ نے رحلت فرمائی اور دوسرے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام یہاں آپ کے جانشین ہوئے۔

قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَ اُمِیۡتُ ؕ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ

اس نے کہا میں بھی جلاسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم (علیہ السّلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو

مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِہَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ ؕ

مشرق سے تو تُو نکال لا اسے مغرب سے (یہ سُن کر) ہوش اُڑ گئے اس کافر کے

وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۵۸﴾ۚ اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ

اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو یا (کیا نہ دیکھا) اس شخص کو ۳۴۷ جو گزرا ایک بستی پر

وَّ ہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ

دراں حال کہ وُہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل کہنے لگا کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک

ہے۔ نمرُود نے کہا کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہُوں۔ چُنانچہ اس نے دو آدمی بُلائے۔ ان میں سے ایک وُہ تھا جس کے قتل کرنے کا حُکم صادر ہو چُکا تھا اور دُوسرا بے گناہ تھا۔ اس نے بے گناہ کو قتل کر دیا اور اس واجب القتل کو رہا کر دیا۔ اور اس طرح حقیقت ناشناسوں کے سامنے اپنی جھُوٹی خُدائی کی لاج رکھ لی حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ایک اور رُخ پر وار کیا۔ حضرت صدرُ الافاضل مُراد آبادی کے الفاظ یہاں بہت جامع ہیں۔ "لیکن چُونکہ نمرُود کے جواب میں شانِ دعویٰ پیدا ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ موت و حیات کا پیدا کرنا تو تیرے مقدُور میں نہیں اَے رُبُوبیّت کے جھُوٹے مدعی تو اِس سے سہل کام ہی کر دِکھا جو ایک متحرّک جسم کی حرکت کو بدلنا ہے۔ یہ بھی نہ کر سکے تو پھر رُبُوبیّت کا دعویٰ کس مُنہ سے کرتا ہے۔

۳۴۷ وُہ کون تھا جس کا قصّہ اس آیت میں بیان ہو رہا ہے؟ اس کی تعیین نہ قرآن نے کی ہے نہ حدیث نے۔ اس لیے علماء مفسّرین سے متعدّد اقوال منقول ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وُہ کافر تھا جسے قیامت پر ایمان نہ تھا۔ بعض نے ارمیا نبی کا اور اکثر نے حضرت عُزیر علیہ السّلام کا نام لیا۔ لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ جس کو اللہ اور رسُول ؐ نے معیّن نہیں فرمایا اُسے معیّن نہ کیا جائے۔ اسی طرح اس قریہ میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کا یہ خیال ہے کہ وُہ بیت المقدس تھا جسے بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں تباہ و برباد کیا تھا۔ اس کے اکثر باشندوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا اور بقایا کو قید کر کے اپنے پایۂ تخت بابل میں لے گیا تھا۔ جب اُجڑے ہُوئے شہر پر اُن کا گزر ہُوا تو ان کے دِل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ اس برباد اور اُجڑے ہُوئے شہر کو اللہ تعالیٰ کیونکر از سرِ نو آباد فرمائے گا۔

مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ

ہونے کے بعد ۔ سو مُردہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک پھر زندہ کیا اُسے ۳۴۸ فرمایا کتنی مدت تو یہاں ٹھیرا رہا

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ

اُس نے عرض کی میں ٹھیرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اللہ نے فرمایا نہیں بلکہ ٹھیرا رہا ہے تو سو سال

فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ قف

اب (ذرا) دیکھ اپنے کھانے اور اپنے پینے (کے سامان) کی طرف یہ باسی نہیں ہوا اور دیکھ اپنے گدھے کو

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا

اور یہ سب اس لیے کہ ہم بنائیں تجھے نشان لوگوں کے لیے اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انھیں

ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انھیں گوشت پھر جب حقیقت روشن ہوگئی اس کے لیے (تو) اس نے کہا میں جان گیا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ

ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یاد کرو جب ۳۴۹ عرض کی ابراہیم نے اے میرے پروردگار دکھا مجھے کہ تو ۳۵۰ کیسے زندہ فرماتا ہے مُردوں کو

۳۴۸ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرانے کے لیے اُنھیں موت کی نیند سُلا دیا اور اس حالت میں پُورے سو سال گزر گئے۔ اس کے بعد انھیں زندہ کیا گیا اور اُن سے پُوچھا گیا کہ آپ کتنی مدت اس حالت میں رہے تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ۔ اُنھیں بتایا گیا کہ نہیں تم تو پُوری ایک صدی یہیں رہے اور دیکھئے میری قدرت کہ آپ کا کھانا جو عام طور پر چند گھنٹے گزر جانے کے بعد بدبُو دار ہو جاتا ہے جُوں کا تُوں ہے اور گدھے کا گوشت پوست گل سڑ گیا ہے اور اس کی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں اب دیکھئے یہ بکھرا ہوا ڈھانچہ کیسے جُڑتا ہے اور گوشت پوست کیسے آن واحد میں اس پر نمودار ہو جاتا ہے۔ جب ان تمام اُمُور کا اُنھوں نے بچشمِ خود مشاہدہ کر لیا تو کہنے لگے میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے علم یہاں بھی رویت کے معنی میں ہے۔

۳۴۹ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک اور ثبوت پیش فرماتے ہیں۔

۳۵۰ اس سوال سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بات میں متردّد تھے۔ ہرگز نہیں کیونکہ یہاں سوال

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ

فرمایا اے ابراہیمؑ کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے عرض کی ایمان تو ہے ۳۵۱ لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل ۳۵۲ فرمایا تو پکڑ لے

اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ

چار پرندے ۳۵۳ پھر مانوس کر لے انھیں اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر

مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

اُن کا ایک ایک ٹکڑا پھر بلا اُنھیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب

کیف سے ہو رہا ہے۔ اور کیف سے سوال اُس چیز کی حالت دریافت کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جس کے موجود ہونے کا یقین ہو۔ وذلك ان الاستفهام بكيف انما هو سؤال عن حالة شيء موجود متقرر الوجود عند السائل والمسئول (قرطبی)

۳۵۱ یہاں آپ کی زبان سے کہلوا دیا بلیٰ کہ مجھے پورا ایمان ہے۔ یہ اس لیے تاکہ کسی کو شک کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

۳۵۲ تو جب ایمان و یقین پہلے سے حاصل ہے تو پھر اس سوال کا کیا مطلب؟ اس کی وجہ بتائی کہ پہلے مجھے علم الیقین تو ہے لیکن اگر تو مجھے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرا دے تو مجھے عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو جائے گا۔ ای سالتك ليطمئن قلبي بحصول الفرق بين المعلوم برهانا والمعلوم عيانا (قرطبی) اس سوال سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اطمینانِ خاطر کے لیے اس قسم کے سوالات اپنے اُستاد اور مُرشدِ کامل سے پوچھ لینا جائز ہیں۔

۳۵۳ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حکم دیا کہ چار پرندے لیں انھیں ذبح کر کے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کریں اور پھر اُنھیں آپس میں ملا دیں۔ پھر ان ملی جُلی بوٹیوں کے چار حصے کر لیں۔ اور ایک ایک حصّہ ایک ایک پہاڑی پر رکھیں۔ پھر ان پرندوں کو اپنی طرف بُلائیں اور اپنے رب کی قُدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کریں۔ جب حضرت خلیلؑ نے ایسا کر کے ان کو بُلایا تو اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے مُشاہدہ کیا کہ وُہ متفرق بوٹیاں اکٹھی ہُوتیں بکھرے ہُوئے پر جمع ہو گئے اور وُہ پرندے پھڑپھڑاتے ہُوئے جلدی جلدی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

فصرهن کے دو معنے ہیں۔ ایک اس کا معنی ہے مائل اور مانُوس کرنا اور ترجمہ میں یہی معنی لیا گیا ہے۔ لیکن اس کا دُوسرا معنی قطعهن ہے یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرو۔ حضرت ابنِ عبّاس اور ابن الانباری وغیرہما سے یہی منقول ہے۔ يقال صار الشيء يصور اي قطعه (قرطبی) بعض لوگوں نے اِس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم چار پرندوں کو اپنے ساتھ مانوس کر لو۔ پھر ایک ایک پرندہ الگ الگ پہاڑیوں پر بٹھا دو اور اُنھیں اپنی طرف بُلاؤ وُہ فوراً تمھاری طرف چلے آئیں گے۔ تو جیسے تم نے ان کو مانوس کیا اور وُہ تمھاری آواز پر دوڑے چلے آتے اسی طرح جب کائنات کا رب ان منتشر اجزاء کو قیامت کے روز

۳۵۴

حَكِيمٌ (۲۶۰) مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ

بڑا دانا ہے — مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں ۳۵۴ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے

حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط

ایک دانہ ۳۵۵ جو اُگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو

بلائے گا تو یہ اجزاء اکٹھے ہو جائیں گے لیکن یہ تاویل کچھ مناسب حال معلوم نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ پراگندہ اور منتشر اجزاء اکٹھے کیونکر ہوں گے اور ان میں رُوح کیونکر پھُونکی جائے گی۔ کم از کم جواب ایسا تو ہونا چاہیئے جو سوال کے اہم گوشوں کی وضاحت کردے۔ اس تاویل کے مُطابق نہ تو منتشر اجزاء کا اجتماع ہے اور نہ ہی مُردہ کو از سرِ نو زندہ کرنے کا وقوع ہے۔ پھر اس میں کونسی ایسی چیز ہے جو قلب کے اطمینان کا باعث ہو۔

۳۵۴ اس آیت کریمہ کے الفاظ تو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کی مثال بیان کرتے ہیں لیکن اس کے ضمن میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔ یعنی جب یہ یقین ہو کہ یہاں ایک درہم خرچ کرنے سے سات سو درہم ملیں گے تو کونسا عقل مند ایسا ہوگا جو بصد خوشی اپنا سارا سرمایہ اس سودے میں نہیں لگا دے گا۔ اللہ جو غنی و حمید ہے اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کو وُہ داتا یُونہی دیا کرتا ہے لیکن اللہ کریم کے خزانوں کو تقسیم فرمانے والا نبیؐ جسے اپنے مالک کے بے پایاں خزانوں کا بھی علم ہے اور اُس کی شانِ کریمی کو بھی جانتا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو عرض کرتا ہے رب زد اُمّتی۔ اے میرے پروردگار! میری اُمّت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو جواب ملا من ذا الذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ جو اللہ کو قرض دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے کئی کئی گنا زیادہ دیتا ہے۔ لبِ مُصطفےٰ کو پھر جُنبش ہُوئی اور عرض کی۔ رب زد اُمّتی۔ میرے کریم! میری اُمّت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو جواب ملا انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ صبر کرنے والوں کو بے حد و حساب اجر دیا جائے گا۔ (قرطبی) اَن گِنت حمد و ثناء اُس مولائے کریم کے لیے اور بے شمار درُود و سلام اُس کے محبُوبؐ کریم پر۔

۳۵۵ علامہ قرطبی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زراعت کا پیشہ تمام پیشوں سے اعلیٰ ہے اور روزی کمانے کے ذرائع میں سے بہت باعزّت ذریعہ ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم التمسوا الرزق فی خبایا الارض اخرجہ الترمذی یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ زمین کی تہوں سے اپنا رزق تلاش کرو۔ اور زراعت فرضِ کفایہ سے ہے۔ اگر لوگ اس کی طرف سے غفلت برتیں تو امام وقت کو چاہیئے کہ لوگوں کو جبراً کاشتکاری کی طرف راغب کرے اور باغات اور درخت لگانے کا حکم دے (علامہ قرطبی) نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر پُوری کوشش کی جائے تو جتنا بیج ڈالا جائے سات سو گُنا تک فصل برداشت کیا جاسکتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے جو لوگ

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا

خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر ۳۵۶ جو خرچ کیا اس کے پیچھے

مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دُکھ دیتے ہیں اُنھیں کے لیے ثواب ہے اُن کا اُن کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے اُن پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

اور نہ وُہ غمگین ہوں گے اچھی بات کرنا ۳۵۷ اور (غلطی) معاف کر دینا بہتر ہے اس

صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

صدقہ سے جس کے پیچھے دُکھ پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے بڑے حلم والا ہے اَے ایمان والو!

دُوسری قومیں اِس میدان میں گوئے سبقت لیے جا رہی ہیں اور ہم اِتنا کچھ کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ خلیفہ معتضد نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زیارت کی اور حضرت نے اُسے مسحاۃ پکڑایا اور فرمایا خذها فانها مفاتيح خزائن الارض اسے پکڑ لو کیونکہ یہی زمین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔

۳۵۶ یعنی خرچ بھی اللہ کے راستہ میں ہو اور اسی کے لیے ہو تب اجر کی توقع ہے۔ اور اگر خرچ کے بعد احسان جتانا یا ستانا شروع کر دیا تو اللہ کے نزدیک اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ جنگ تبوک کے موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی جھولی میں ڈال دیئے۔ رحمتِ دو عالم کی زبانِ پاک سے حضرت عثمانؓ کے حق میں ایسی دُعا نکلی جس پر حضرت عثمانؓ جتنا ناز کریں بجا ہے اور جتنا شکر کریں کم ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ماضر عثمان ماعمل بعد اليوم اللهم لا تنس هذا اليوم لعثمان۔ اب عثمان جو کچھ کرتا رہے اس کو نقصان نہیں دے گا۔ اَے اللہ! عثمانؓ کے آج کے دِن کی قربانی فراموش نہ کرنا۔

۳۵۷ بعض کم ظرف لوگ اگر چند کوڑیاں کسی نیک کام میں خرچ کر بیٹھتے ہیں تو پھر احسان جتلاتے ہیں۔ طرح طرح سے اذیت پہنچاتے ہیں مُسلمانوں کو ایسی کمینہ حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے اور اُنھیں بتایا جا رہا ہے کہ ایسے خرچ کرنے سے تو

اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ یُنْفِقُ

مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دُکھ پہنچا کر اُس آدمی کی ۳۵۸ طرح جو خرچ

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ

کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور دن قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا

جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر برسے اُس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اُسے چٹیل صاف پتھر

لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ

(ریاکار) حاصل نہ کر سکیں گے کچھ بھی اُس سے جو اُنھوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار

الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

کرنے والوں کو اور مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال ۳۵۹ اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے

خندہ پیشانی سے بات کرنا اور کسی کی سخت کلامی وغیرہ سے درگزر کرنا بہت بہتر ہے۔ دین کا مقصد تو یہ ہے کہ تمھاری سیرت سنور جائے۔ اگر چند ٹکے دے کر تم میں نخوت پیدا ہوگئی ہے تو اس طرح تو سیرت اور بگڑ گئی۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم الکلمة الطیبة صدقة وان من المعروف ان تلقی اخاك بوجه طلق۔ حضورؐ نے فرمایا پاکیزہ بات بھی صدقہ ہے۔ اور اسلام میں یہ بھی بڑی نیکی ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرے۔

۳۵۸ یہ منافق اور ریاکار کے عمل کی مثال ہے کہ جس طرح پتھر پر مٹی نظر آتی ہے لیکن جب بارش برستی ہے تو اس مٹی کو بہا کر لے جاتی ہے اور پتھر پھر چٹیل کا چٹیل رہ جاتا ہے۔ اسی طرح منافق کے اعمالِ خیر کی حالت ہے کہ بظاہر دیکھنے میں تو بہت کچھ دکھائی دیتے ہیں لیکن قیامت کے روز وُہ یوں ناپید ہو جائیں گے جیسے بارش کے بعد پتھر سے مٹی ناپید ہو جاتی ہے۔

۳۵۹ اس آیت میں مومن مخلص کے اعمال کی مثال بیان فرمائی کہ جس طرح بلند خطّہ کی بہترین زمین کا باغ ہر حال میں خوب پھلتا ہے خواہ بارش کم ہو۔ ایسے ہی بااخلاص مومن کا صدقہ اور انفاق کم ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب بڑھاتا ہے۔ ربوہ اس خطّہ زمین کو کہتے ہیں جو نسبتہً دُوسری زمین سے بلند ہو اور اس کی مٹی زیادہ زرخیز ہو۔ الربوة: المکان المرتفع ارتفاعا یسیرا معه فی الاغلب کثافة تراب (قرطبی)

اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ

کے لیے اور اس لیے تاکہ پختہ ہو جائیں ان کے دل ٣٦٠ ان کی مثال اُس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو برسا ہو اس پر

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا

زور کا مینہ تو لایا ہو وہ باغ دوگنا پھل اور اگر نہ برسے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ جو تم

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ

کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے ٣٦١ کہ ہو اُس کا ایک باغ

نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ

کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں اُس کے نیچے ندیاں (کھجور و انگور کے علاوہ) اس کے لیے اس میں

كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚۖ فَاَصَابَهَآ

ہر قسم کے اور پھل بھی ہوں اور آلیا ہو اُسے بڑھاپے نے اور اس کی اولاد بھی کمزور ہو (تو کیا وہ پسند کرتا ہے کہ) پہنچے اس کے باغ کو

٣٦٠ یہ الفاظ بڑے غور طلب ہیں۔ مال خرچ کرنے سے اللہ کے مخلص اور پاکباز بندوں کی ایک غرض تو یہ ہوتی ہے کہ اُن کا ربِّ کریم اُن پر راضی ہو جائے۔ اور اس کے علاوہ دُوسری غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ دلوں میں اللہ کی راہ میں مال و جان قربان کرنے کی استعداد پختہ اور ملکہ راسخ ہو جائے۔ مال بڑی پیاری چیز ہے۔ اس کا خرچ کرنا ابتداء میں بے شک گراں گزرتا ہے لیکن جب انسان خرچ کرنا شروع کر دیتا ہے تو دل آہستہ آہستہ اس کا خوگر اور اس کی لذتوں سے آشنا ہو جاتا ہے اور راہِ خدا میں سب کچھ لُٹانے کی استعداد پختہ ہو جاتی ہے۔ پھر مال تو مال رہا وُہ اپنی جانِ عزیز تک نثار کرنے کو سب سے بڑی سعادت یقین کرنے لگتا ہے۔

٣٦١ اخلاصِ نیّت کی اہمیّت کو ایک مثال ذِکر کر کے یُوں واضح کیا گیا ہے کہ کوئی باہوش آدمی اِس میں غفلت نہیں برت سکتا۔ ایک آدمی ایک باغ لگاتا ہے۔ اُس کی شبانہ روز محنت اور کثیر روپیہ خرچ کرنے کے بعد اس میں گوناگوں پھلدار درخت اُگ آتے ہیں۔ میٹھے اور شفاف پانی کی ندّیاں ان درختوں کی قطاروں میں بہہ رہی ہیں۔ بڑھاپے نے اسے آلیا ہے۔ اس کی قوّت رفتہ رفتہ جواب دے رہی ہے۔ اس کے بچّے ابھی چھوٹے ہیں۔ وُہ مطمئن ہے کہ اب وُہ اپنی زندگی بھر کی محنت کا ثمر کھائے گا۔ اس کے پھلدار باغ کی آمدنی سے اس کی پیری کے دِن آرام سے کٹیں گے اور اسے اپنے بال بچّے کی روزی کے لیے اب کوئی

اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

بگولہ جس میں آگ ہو پھر وہ باغ جل بھن جائے ایسے ہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنی) آیتیں

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝٢٦٦ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ ٣٦

تاکہ تم غور و فکر کرو اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیزوں سے

مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا

جو تم نے کمائی ہیں ٣٦٢ اور اس سے جو نکالا ہے ہم نے تمہارے لیے زمین سے اور نہ ارادہ کرو ٣٦٣

الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا

ردی چیز کا اپنی کمائی سے کہ (تم اسے) خرچ کرو حالانکہ (اگر تمہیں کوئی ردی چیز دے تو) تم نہ لو اسے بجز اس کے کہ چشم پوشی کر لو

تردد نہیں ہوگا۔ تم خود سوچو ایسا بوڑھا آدمی ایسی حالت میں کبھی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ کوئی آتشیں بگولہ آئے اور اس کی عمر بھر کی کمائی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے۔ بس بالکل یونہی سمجھ لو اپنی زندگی بھر کے نیک اعمال کو۔ قیامت کے دن جب تم خود کچھ کما نہیں سکتے، اور دوسرا تمہاری کوئی امداد کر نہیں سکتا اس روز تمہیں اپنی زندگی بھر کے نیک اعمال کی کتنی شدید حاجت ہوگی۔ اگر ریاکاری کے بگولہ سے تم نے ان کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تو قیامت کے دن تمہاری حسرت، ندامت اور دل سوزی کا کیا عالم ہوگا۔ اگر تم اس اندوہناک صورت حال سے دوچار ہونا نہیں چاہتے تو اپنے اعمال کو ریا اور دکھلاوے سے بچاؤ۔ سبحان اللہ! کیا اثر آفرین اور دل نشین ہے یہ مثال۔

٣٦٢ طیبات سے وہ چیزیں مراد ہیں جو عمدہ بھی ہوں، حلال بھی ہوں اور حلال طریقہ سے کمائی بھی گئی ہوں۔ کیونکہ اس طرح خرچ کرنے کے تین مقاصد ہیں۔ غریب کا فائدہ، اپنے نفس کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا۔ اور یہ مقاصد تب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ عمدہ اور پاکیزہ چیز خرچ کی جائے۔ اگر ردی چیز خرچ کی تو نہ غریب کو کچھ فائدہ پہنچا، نہ بخل کی آلودگی سے نفس کی صفائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ذات جو اپنے بہتر سے بہتر انعامات کی تم پر بارش فرما رہی ہے۔ جب اس کے نام پر دینے کا وقت آیا تو سب سے ناکارہ چیز تم نے اس کی راہ میں دے دی تو وہ کیونکر تم سے راضی ہوگا۔

٣٦٣ کیونکہ جب ردی چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ردی چیزوں کو کب پسند فرمائے گا۔

فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝٢٦٧ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ

اس میں اور (خوب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے ہر تعریف کے لائق ہے شیطان ۳۶۴ ڈراتا ہے تمھیں

الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

تنگ دستی سے اور حکم کرتا ہے تم کو بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ وعدہ ۳۶۵ فرماتا ہے تم سے اپنی بخشش کا

وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝٢٦٨ۚۖ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ

اور فضل (وکرم) کا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے عطا فرماتا ہے دانائی ۳۶۶ جسے چاہتا ہے

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ

اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اسے دے دی گئی بہت بھلائی اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر

۳۶۴ شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈال کر راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر یہ خرچ کر دیا تو خود کیا کھاؤ گے۔ بچوں کا پیٹ کیسے بھرو گے۔ در در کی بھیک مانگنے کی ذلّت اٹھانی پڑے گی۔ اور بخل کو کفایت شعاری، دور اندیشی وغیرہ کے رنگین عنوانوں سے پیش کرتا ہے۔ یہ چیز غور طلب ہے کہ قرآن نے بخل کو فحشاء (سخت بے حیائی) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اس سے بڑھ کر بے حیائی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ انسان خود عیش کر رہا ہو اور کسی غریب بھائی کی امداد کا اُسے کبھی خیال ہی نہ آتا ہو۔

۳۶۵ لیکن اللہ تعالیٰ تمھیں نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا ہے کہ ایسا کرنے سے تمہارے گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے اور غریبوں اور تنگ دستوں کی امداد کرنے سے تم پر رزق اور نعمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

۳۶۶ حکمت سے مراد وہ علمِ صحیح ہے جو اتنا پختہ اور طاقت ور ہو کہ وہ انسانی ارادہ کو حکماً عملِ خیر کی طرف متوجہ کر دے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ احسان ہے جسے قرآن نے خیرِ کثیر فرمایا ہے۔ اور دنیا و مافیہا کو متاعِ قلیل کہا ہے۔ اب اگر کوئی صاحبِ علم اُمراء و اغنیاء سے اپنے آپ کو کمتر اور کہتر سمجھے تو یہ اس کی اپنی کم نگاہی ہے۔ ورنہ جو نعمت اور دولت اسے عطا فرمائی گئی ہے اُس کے سامنے دولتِ قارون اور جاہِ فریدون کی وقعت ہی کیا ہے۔

أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن

عقل مند ۔ اور جو تم خرچ کرتے ہو یا منت مانتے ہو ۳۶۷

نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ إِن

تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے ۔ اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار ۔ اگر

تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ

ظاہر کرو (اپنی) خیرات ۳۶۸ تو بہت اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو صدقوں کو اور دو انھیں فقیروں کو

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

تو یہ بہت بہتر ہے تمھارے لیے اور (صدقہ کی برکت سے) مٹادے گا تم سے تمھارے بعض گناہ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو

۳۶۷؎ یعنی جو کچھ تم خرچ کرو اور جہاں کہیں خرچ کرو اور جیسی نذر مانو اور جس کے لیے مانو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ اور تمھاری نیّت کے مُطابق تمھیں ثواب وعذاب دیا جائے گا۔ نذر کی تعریف یہ ہے ھوما اوجبہ المکلف علی نفسہ من عبادات لولم یوجبہ لم یلزمہ (قرطبی) نذر کسی ایسی عبادت کو اپنے اُوپر لازم کر لینے کو کہتے ہیں کہ اگر وُہ عبادت یہ خود اپنے اُوپر واجب نہ کرے تو وُہ عبادت اس پر لازم نہیں ہوتی۔ حضرت صدر الافاضل حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لیے نذر کرے اور کسی ولی کے آستانہ کے فقراء کو خرچ کرنے کا محل مقرر کرے مثلاً کسی نے یہ کہا کہ یارب میں نے نذر مانی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پُورا کر دے یا فلاں بیمار کو شفا دے دے تو میں فلاں ولی کے آستانہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں یا وہاں کے خدام کو روپیہ پیسہ دُوں یا ان کی مسجد کے لیے تیل یا بوریا حاضر کروں تو یہ نذر جائز ہے (ردالمختار)

۳۶۸؎ مفسّرین کی یہی رائے ہے کہ فرضی صدقات ظاہر کر کے دینے افضل ہیں اور نفلی صدقات چھپا کر دینے افضل ہیں۔ قال الحسن اظہار الزکاۃ احسن واخفاء التطوع افضل۔ اور کیا حکمت آموز قول ہے جو حضرت عباس بن عبد المطلب سے منقول ہے۔ لایتم المعروف الابثلاث خصال تعجیلہ وتصغیرہ وسترہ فاذا عجلتہ ھنأتہ واذا صغرتہ عظمتہ واذا سترتہ اتممتہ۔ ترجمہ: نیکی تین خصلتوں کے بغیر مکمّل نہیں ہوتی۔ نیکی کرنے میں جلدی کرے، اسے حقیر سمجھے اور اسے پوشیدہ رکھے۔ جب تم نے نیکی کرنے میں جلدی کی تو اُسے خوشگوار بنایا جب اسے حقیر سمجھا تو اس کی قدر کو بڑھایا اور جب اسے پوشیدہ رکھا تو اسے مکمّل کر دیا۔

خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

خبردار ہے نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ۳۶۹ ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ

اور جو کچھ تم خرچ کرو (اپنے) مال سے تو (اس میں) تمھارا اپنا فائدہ ہے اور تم تو خرچ ہی نہیں کرتے ہو سوائے اللہ کی

وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾

رضا طلبی کے اور جتنا کچھ تم خرچ کرو گے (اپنے) مال سے پورا پورا ادا کر دیا جائے گا تمھیں اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (خیرات)

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

ان فقیروں کے لیے ہے جو ۳۷۰ روکے گئے ہیں اللہ کی راہ میں نہیں فرصت ملتی انھیں (روزی کمانے کے لیے)

۳۶۹ انصار کے کئی رشتہ دار اسلام نہیں لاتے تھے اور انصار اُن کی امداد کرنا چاہتے لیکن اِس خیال سے نہ کرتے کہ وُہ مسلمان نہیں۔ اور خود حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی مسلمانوں کو حکم دیا کہ وُہ مسلمان فقراء کو ہی اپنے صدقات دیا کریں۔ اِس آیتِ کریمہ سے حکم ملا کہ نہیں اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو بھوکا مرتے دیکھتے رہنا آپ کی رحمت کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمان غیر مسلموں کو بھی صدقات دینے لگے۔ لیکن خیال رہے کہ یہ نفلی صدقات وخیرات کا حکم ہے۔ فرض اور واجب صدقات مثلاً زکوٰۃ اور صدقۂ فطر صرف مسلمان فقراء کو ہی دیئے جا سکتے ہیں۔

۳۷۰ پہلی آیت میں بتایا کہ اگر غیر مسلم فقراء کو بھی اپنے خیرات وصدقات دو تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔ اِس آیت میں بتایا کہ صدقات کے صحیح مستحق یہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لیے وقف کر دی ہیں اور اُنھیں فرصت ہی نہیں ملتی کہ وُہ اپنی معاش کا بھی فکر کریں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عہدِ ہمایوں میں تین چار سو کے قریب ایسے مہاجر تھے جن کے پاس نہ مال تھا، نہ اہل اور نہ سر چھپانے کے لیے جھونپڑا۔ وُہ بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے اور جس کام کے لیے حکم ملتا اس کی تعمیل کرتے۔ جب کہیں سرایا بھیجنے کی ضرورت ہوتی یہ بے تامّل حاضر ہوتے اور جب فارغ ہوتے تو قرآن یاد کرتے اور سُنّتِ نبوی ؐ کو حفظ کرتے۔ ان کی رہائش کے لیے مسجد میں ہی حضور ؐ نے ایک چھپّر بنوا دیا تھا۔ فقر وتنگدستی کے باوجود عزّتِ نفس اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو یہ گویا جانتے ہی نہ تھے۔ جیسے گزرتی خاموشی اور صبر سے گزار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کی توجّہ ان کی طرف مبذول کرائی لیکن یہ حکم انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اب بھی جو حضرات اِس خدمت میں مشغول رہتے ہیں اور کسبِ معاش کے لیے وقت نہیں نکال سکتے ان کے متعلّق یہی حکم ہے۔

ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج

چلنے پھرنے کی زمین میں خیال کرتا ہے اُنھیں ناواقف (کہ یہ) مالدار (ہیں) بوجہ ان کے سوال نہ کرنے کے

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ج لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوا

(اے حبیبؐ) آپ پہچانتے ہیں انھیں ان کی صُورت سے یہ نہیں مانگا کرتے لوگوں سے لپٹ کر ۳۷۱ے اور جو کچھ تم خرچ کرو گے

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ع ﴿٢٧٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ع ٣٧ / ٥

(اپنے) مال سے پس یقیناً اللہ تعالیٰ اسے خُوب جاننے والا ہے جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال

بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج

رات میں اور دِن میں چھپ کر اور علانیہ تو ان کے لیے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا وقف منزل

اور نہ انھیں کچھ خوف ہے اور نہ وُہ غمگین ہوں گے جو لوگ کھایا کرتے ہیں سُود ۳۷۲ے

۳۷۱ے اِسلام نے بھیک مانگنے کی سخت مذمّت کی ہے۔ حضرت ابُوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالمؐ نے فرمایا۔ لان یغدو احدکم فیحتطب علی ظھرہ فیتصدق منه ویستغنی به عن الناس خیرله من ان یسال رجلا اعطاه او منعه۔ کہ اگر کوئی شخص ہر صُبح لکڑیاں چن کر پیٹھ پر اُٹھا لاتے اور اس کی قیمت سے جو مِلے اس سے صدقہ بھی کرے اور خود بھی کھائے یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے کسی کا دِل چاہے تو کچھ دے دے اور چاہے تو اِنکار کر دے۔ حضور علیہ السّلام کا ایک اور ارشاد ہے من سال الناس اموالھم تکثرا فانما یسال جمرا فلیستقل منه او لیستکثر۔ ترجمہ۔ جو آدمی لوگوں سے مال جمع کرنے کیلیے بھیک مانگتا ہے وُہ انگارے جمع کر رہا ہے۔ تھوڑے انگارے جمع کرے یا زیادہ یہ اس کی اپنی مرضی۔

۳۷۲ے پہلے سخی اور کریم الطبع لوگوں کا ذِکر فرمایا جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لِیے لوگوں کی اِمداد کرتے ہیں اور کسی معاوضہ بلکہ شکریہ کی بھی توقع نہیں رکھتے۔ اب اُن لوگوں کا ذِکر ہے جو دولتمند ہونے کے باوجُود اِتنے تنگ دِل بلکہ سنگ دِل ہیں کہ اپنے مجبُور اور معذُور بھائی کی ویسے اِمداد تو کُجا، قرض بھی دیتے ہیں تو سُود کا مطالبہ پہلے کرتے ہیں۔ اِن آیات میں ربا (سُود) کو حرام کر دیا گیا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس وقت کے اہلِ عرب کِس چیز کو ربا کہا کرتے تھے اور اس کی کیا کیا شکلیں رائج تھیں۔

لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ

وُہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وُہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے

الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ

چھُو کر ۳۷۳ یہ حالت اس لیے ہو گی کہ وُہ کہا کرتے تھے کہ سوداگری بھی سُود کی مانند ہے حالانکہ حلال فرمایا

لُغتِ عرب میں ربا کا معنی زیادتی ہے۔ اصطلاح میں اس مقررہ زیادتی کو ربا کہا جاتا تھا جو کسی رقم کی ادائیگی میں دیر کرنے پر ادا کی جاتی تھی۔ اس کی مروّجہ شکلیں یہ تھیں کہ کسی نے کوئی چیز خریدی قیمت اگر وُہ نقد ادا نہ کر سکتا تو ایک میعاد مقرر کی جاتی اگر وُہ اِس میعاد پر بھی قیمت ادا نہ کر سکتا تو میعاد بھی لمبی کر دی جاتی اور قیمت میں بھی اضافہ کر دیا جاتا۔ مثلاً دس روپیہ کی کوئی چیز لی۔ اور ایک ماہ کے بعد قیمت ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ مہینہ گزرنے کے بعد اگر اسے دس روپے میسّر نہ آئے تو وُہ ایک ماہ کی مزید مہلت طلب کرتا اور دس کی بجائے بارہ روپیہ ادا کرنے کا اقرار کرتا۔ ایک شکل یہ بھی تھی کہ کسی سے سو روپیہ مثلاً قرض لیا اور طے یہ پایا کہ مقروض ہر سال سو کے ساتھ دس روپیہ زائد ادا کرے گا۔ ان دونوں شکلوں کو اس وقت ربا کہا جاتا یہاں ایک چیز اور تحقیق طلب ہے کیا اس وقت کے لوگ صرف نجی ضروریات کے لیے ہی سُودی قرض لیا کرتے تھے یا کاروبار کرنے کے لیے بھی سُودی قرض کا اُس وقت عام رواج تھا۔ بعض لوگ جنھیں عرب کے حالات اور رسم ورواج کے تفصیلی مطالعہ کی فرصت نہیں ملی، کہتے ہیں کہ اس وقت صرف ذاتی ضروریات کے لیے ہی قرض لیا جاتا تھا اور کاروبار کے لیے قرض لینے کا اس قدیم غیر متمدّن معاشرہ میں کوئی تصوّر نہ تھا۔ لیکن اگر وُہ دُنیا کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں تو اُنھیں معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت جب کہ نہر سویز نہیں کھُدی تھی جب کہ بڑے بڑے بحری جہاز معرضِ وجُود میں نہیں آئے تھے مشرق و مغرب کی تجارت خشکی کے راستہ سے ہوتی تھی۔ اس وقت تجارتی کاروانوں کی راہ گزر جزیرہ عرب تھا۔ عرب کے لوگ عموماً اور اہلِ مکّہ خصُوصاً تجارت میں خوب حِصّہ لیتے تھے۔ اور اس امر کا تذکرہ تو خود قرآن حکیم میں ہے کہ اہلِ مکّہ کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن وفارس کی طرف اور گرمیوں میں شام ورُوم کی طرف باقاعدگی سے جاتے تھے اور یہی اُن کا ذریعہ معاش تھا اور تاریخ اس پر اٹل شاہد ہے کہ جو قافلہ شام سے اُبوسفیان کی قیادت میں مکّہ واپس جارہا تھا جس کا مسلمانوں نے مدینہ طیّبہ سے نکل کر محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اس میں تمام اہلِ مکّہ کا سرمایہ تھا۔ مکّہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس نے اس میں اپنا حِصّہ نہ ڈالا ہو۔ اور حِصّہ کی دونوں مختلف شکلیں رائج تھیں۔ یا تو سرمایہ دینے والا نفع میں شریک ہوتا تھا یا وُہ اپنا مقررہ حِصّہ ٹھیرا لیا کرتا خواہ قرض لینے والے کو نفع ہو یا نقصان۔ ان تاریخی حقائق کی موجُودگی میں یہ فرض کر لینا کب روا ہے کہ اس وقت کے اہلِ عرب کاروبار کے لیے سُودی قرض نہیں لیا کرتے تھے۔ قرآن نے ہر ربا کو حرام کیا کہیں آپ کاروباری سود لینے کی اجازت نہیں دکھا سکتے۔

۳۷۳ ان کلمات میں سُود خوار کی کیفیت بیان کی جارہی ہے۔ فرمایا جیسے آسیب زدہ اور پاگل آدمی عجیب وغریب حرکتیں کرتا ہے جنھیں دیکھ کر انسان ہنسی ضبط نہیں کر سکتا اسی طرح یہ سُود خور اپنی حشمت وجاہ، دولت کی محبّت میں یُوں مارے مارے پھرتے ہیں

اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو ۳۴۷ پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے

اور اُن سے ایسی نامعقول باتیں اور ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ شاید ان پر کسی چیز نے تسلّط جما رکھا ہے۔ ان کی دُنیاوی زندگی بھی یُونہی گزرے گی اور قیامت کے روز بھی ان کا یُونہی حشر ہو گا۔

۳۴۷ سُود کے جواز کے لیے جو دلیل آج پیش کی جاتی ہے بعینہٖ یہی استدلال چودہ صدیاں پیشتر غیر متمدن عرب کے سُود خوار پیش کیا کرتے تھے یعنی جب دُوسری اجناس کے لین دین میں نفع حاصل کرنا درست ہے تو روپیہ جو ایک جنس ہی ہے اس کے لین دین میں اگر نفع لیا جائے تو اسے حرام کیوں قرار دیا جائے۔ اس کا جواب قرآن حکیم نے یہ دیا کہ دونوں میں بڑا فرق ہے بیع کو اللہ تعالیٰ نے اس کے فوائد کی وجہ سے حلال کر دیا ہے اور سُود کو اس کے نقصانات کی وجہ سے حرام کیا ہے۔ اس لیے ان دو چیزوں کو یکساں کیسے تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ سُود کی حُرمت کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن جو فاضلانہ بحث حُجّۃ الاسلام الامام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اس کا جواب نہیں۔ بحث کی اہمیّت کا تقاضا تو یہ ہے کہ غزالی کے کلام کا پُورا ترجمہ نقل کیا جائے لیکن مقام کی تنگ دامانی اس کی متحمّل نہیں۔ اِس لیے نہایت اختصار سے اِس بحث کا ماحصل ہدیۂ قارئین ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

فرض کرو تمھارے پاس زعفران ہے اور ایک دُوسرے شخص کے پاس اُونٹ ہے۔ تم اُونٹ لینا چاہتے ہو لیکن اُونٹ والے کو زعفران کی ضرورت نہیں۔ اب تم اُونٹ کیونکر حاصل کر سکتے ہو۔ یا تمھارے پاس کپڑے ہیں اور دُوسرے شخص کے پاس کھانا ہے۔ تمھیں بھوک لگی ہے تمھیں کھانا چاہیئے لیکن کھانے والے کو کپڑوں کی ضرورت نہیں۔ اب تم کھانا کیونکر خریدو گے۔ اس لیے قدرت نے ایک ایسی جنس (سونا چاندی) کی تخلیق فرما دی جس کے ذریعہ ہر شخص اپنی ضرورت کی چیز خرید سکے۔ اگر آپ ذرا سا تامّل فرمائیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ سونے چاندی کی تخلیق اس حکیم و دانا رب نے اسی مقصد کے لیے فرمائی ہے۔ اور ان کا اور کوئی فائدہ نہیں۔ ایک تو یہ کمیاب ہیں دُوسرا ان میں وُہ صلابت اور سختی نہیں جو لوہے اور تانبہ وغیرہ میں ہے تاکہ اُن کی جگہ استعمال ہو سکیں۔ اب اگر روپیہ پر سُود لینے کی اجازت دی جائے تو روپیہ پھر صرف تبادلۂ اشیاء کا ذریعہ نہیں رہے گا بلکہ اس کی اپنی ذات کاسب اور نفع خیز بن جائے گی اور لوگ دُوسرے سامانِ تجارت کی طرح اس کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بازار میں سے یہ غائب ہوتا چلا جائے گا۔ اور جب روپیہ بازار سے غائب ہونا شروع ہو گیا تو صنعتی ترقی رُک جائے گی تجارتی سرگرمی ختم ہو جائے گی اور دُوسری اشیاء کی قیمتوں میں وُہ اُتار چڑھاؤ شروع ہو گا جس سے سارا اقتصادی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ شریعتِ اسلامیہ نے اِن مفاسد کے سدِّباب کے لیے سُود کو حرام کر دیا۔ (اختصار کلامِ غزالیؒ)

افلاطون نے بھی اپنی کتاب "السیاسۃ" میں یہی لکھا ہے کہ روپیہ کُڑک مُرغی ہے جو انڈے نہیں دیتی۔

سُود کی حُرمت کی حقیقی وجہ سمجھ لینے کے بعد اب ہمیں یہ بھی سمجھنا ہے کہ تجارت اور سُود میں کیا فرق ہے جس کی طرف

فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

تو وُہ (سود سے) رُک گیا تو جائز ہے اس کے لیے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو شخص پھر سود کھانے لگے تو وُہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي

دوزخی ہیں وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے مٹاتا ہے ۳۷۵ اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے

الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

خیرات کو ۳۷۶ اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ہر ناشکرے گنہگار کو بے شک جو لوگ ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ

اور کرتے رہے اچھے عمل اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ کو ان کے لیے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے انھیں اور نہ وُہ غمگین ہوں گے

قرآن نے اشارہ فرمایا ہے۔ یہ بالکل واضح فرق ہے کہ تجارت میں انسان روپیہ لگاتا ہے۔ پھر محنت کرتا ہے۔ اپنی ساری ذہنی قابلیتیں صرف کرتا ہے اور وقت خرچ کرتا ہے۔ اس کے باوجود نفع یقینی نہیں۔ اسے نفع بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی لیکن سُود خور جو صرف اپنا فالتو روپیہ دیتا ہے۔ نہ وقت، نہ محنت نہ کاوش، وُہ یقینی نفع کا خواستگار کیوں ہو۔ اسلام نے سرمایہ دار کے لیے دو ہی راستے تجویز کیے ہیں یا تو اپنے بھائی کو اپنا زائد از ضرورت روپیہ بطور قرضِ حسنہ دے ورنہ کاروبار میں شریک ہو جائے اور نفع و نقصان میں حصّہ دار بنے۔ اس کے لیے تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

۳۷۵ المحق محو الشیٔ والذھاب بہ کمحاق القمر۔ کسی چیز کے مٹ جانے اور غائب ہونے کو محق کہتے ہیں۔ چاند کی آخری دو تاریخوں کو محاق کہا جاتا ہے کیونکہ چاند ان راتوں میں بالکل رُوپوش ہو جاتا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرما رکھا ہے کہ سُود خور کو برکت نہیں ہوگی اور مال سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ نہ اُس کی سوسائٹی میں کچھ عزت ہوگی نہ اس کو قلبی سکون نصیب ہوگا۔ یہ اس کی حالت دُنیا میں ہوگی اور آخرت میں وُہ ثواب و رضائے خداوندی سے محروم ہوگا۔

۳۷۶ سُود خور کے برعکس صدقہ و خیرات کرنے والا دُنیا میں بھی باعزت زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں بھی اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ
اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سُود سے اگر
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ
تم (سچے دل سے) ایمان دار ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلانِ جنگ سُن لو ۳۷۷؎ اللہ اور اُس کے
وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ
رسُول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھیں (مل جائیں گے) اصل مال نہ تم ظلم کیا کرو
وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ
اور نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر مقروض تنگ دست ہو ۳۷۸؎ تو مُہلت دو اُسے خوشحال ہونے تک
وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا
اور بخش دینا اسے (قرض) بہت بہتر ہے تمھارے لیے اگر تم جانتے ہو اور ڈرتے رہو اُس دن سے
تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ
لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف پھر پورا پورا دے دیا جائے گا ہر نفس کو جو اُس نے کمایا ہے اور

۳۷۷؎ سُود کے اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی ناقابلِ تلافی نقصانات کے باعث اس کی حُرمت کو اِتنے شدید پیرائے میں بیان کیا گیا جس کی مثال نہیں۔ ارشاد ہے جو ان احکام کے بعد بھی سُود لینے کی جرأت کرے گا اس کے خلاف اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا اعلانِ جنگ ہے۔

۳۷۸؎ مکارمِ اخلاق کا ایک اور درس ہے۔ جو قوم ایسے ضابطۂ اخلاق کی پابند ہو اس کے غریب و امیر افراد میں حسد و عناد کی آگ نہیں بھڑک سکتی۔ اور یہ خونی انقلاب رُونما پذیر نہیں ہو سکتے جن سے آج ساری دُنیا لرزہ براندام ہے۔ کاش مسلمان اپنے فرض کو پہچانیں اور ان اخلاقی اصولوں کو اپنانے کی کوشش کریں۔

هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ

ان پر زیادتی نہ کی جائے گی اے ایمان والو! جب تم ایک دُوسرے کو قرض دو ۳۷۹ ے

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪

مدّت مقررہ تک تو لکھ لیا کرو اسے اور چاہیئے کہ لکھے تمھارے درمیان لکھنے والا ۳۸۰ ے عدل و انصاف سے

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ

اور نہ انکار کرے لکھنے والا ۳۸۱ ے لکھنے سے جیسے سکھایا ہے اس کو اللہ نے بس وُہ بھی لکھ دے اور لکھوائے

الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ

وُہ شخص جس کے ذمہ حق (قرضہ) ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور نہ کمی کرے اس سے ذرّہ بھر

۳۷۹ ے قرآن کریم کی یہ سب سے لمبی آیت ہے اور اس میں معاملات کے بہت سے احکام شرح و بسط سے بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ پہلا حکم تو یہ ہے کہ جب اُدھار کا لین دین کرو تو ضرور لکھ لیا کرو کیونکہ بسا اوقات انسان پہلے لکھنے سے شرماتا ہے لیکن بعد میں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں اور نوبت لڑائی جھگڑے اور مقدمات تک پہنچتی ہے اور آپس کے تعلّقات ہمیشہ کے لیے کشیدہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر معاملہ کی ساری تفصیلات یعنی مقدار، قسم اور ادائیگی کا مقررہ وقت لکھ لیا جائے تو پھر ان مفاسد سے نجات مِل جاتی ہے۔ فقہی اصطلاح میں اگرچہ اسے واجب نہ کہا جائے لیکن اس کی اہمیّت اور افادیّت سے کسی کو انکار نہیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے مروی ہے کہ جو شخص تحریر نہیں کرتا اور اس کا حق ضائع ہو جائے تو اُسے کوئی اجر نہ ملے گا اور اگر اس نے اپنا حق غصب کرنے والے کے لیے بد دُعا کی تو وُہ بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد کی تعمیل نہیں کی۔ (احکام القرآن)

۳۸۰ ے یعنی جو شخص تحریر کا فرض انجام دے اسے ایسی تحریر لکھنی چاہیئے جو ہر طرح کے ابہام اور مغالطہ سے مبرّا ہو۔ ذُو معنی الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرے اور ان تمام شرائط کا پُورا لحاظ رکھے جو شریعت نے اس عقد کی صحت کے لیے مقرر کی ہیں۔ اس لیے فقہائے نے فرمایا ہے کہ وثیقہ نویس ایسا شخص ہونا چاہیئے جسے ان شرائط و قواعد کا پُورا پُورا علم ہو تاکہ فریقین کے مقصد کی صحیح ترجمانی کر سکے۔

۳۸۱ ے اگر ایک شخص کے سوا کوئی دُوسرا آدمی وثیقہ نویسی کا اہل نہ ہو تو اس شخص پر ضروری ہے کہ وُہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ اور فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ وثیقہ نویس کو اُجرت لینے کی شرعاً اجازت ہے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ

پھر اگر وُہ شخص جس پر قرض ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا اس کی طاقت نہ رکھتا ہو

اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا

کہ خود لکھا سکے تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے اور بنا لیا کرو ۳۸۲ ؎

شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ

دو گواہ اپنے مردوں سے اور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد

وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا

اور دو عورتیں اُن لوگوں میں سے جن کو پسند کرتے ہو تم (اپنے لیے) گواہ تاکہ اگر بھول جائے ایک عورت

فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ

تو یاد کرائے (وُہ) ایک دُوسری کو اور نہ انکار کریں گواہ جب وُہ بُلائے جائیں

وَلَا تَسْئَمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ

اور نہ اُکتایا کرو اسے لکھنے سے خواہ (رقم قرضہ) تھوڑی ہو یا زیادہ اس کی میعاد تک یہ تحریر عدل قائم

اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ

کرنے کے لیے بہت مفید ہے اللہ کے نزدیک اور بہت محفوظ رکھنے والی ہے گواہی کو اور آسان طریقہ ہے تمھیں شک سے بچانے کا مگر

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

یہ کہ سودا دست بدستی ہو جس کا تم لین دین آپس میں کرو (اس صُورت میں) نہیں تم پر

۳۸۲ ؎ تحریر کے ساتھ گواہ مقرر کرنے کا بھی حکم دیا تاکہ معاملہ میں کسی وقت بھی گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ شہادت کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں مُلاحظہ ہوں۔

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ

کچھ حرج اگر نہ بھی لکھو اسے اور گواہ ضرور بنا لیا کرو جب خرید و فروخت کرو اور ضرر نہ پہنچایا جائے

كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا

لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو۳۸۳ اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ نافرمانی ہوگی تمھاری اور ڈرا کرو

اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۸۲ وَاِنْ كُنْتُمْ

اللہ سے اور سکھاتا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ (آدابِ معاشرت) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور اگر تم

عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ

سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا۳۸۴ قبضہ دے دیا کرو پھر اگر اعتبار

بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

کرلے کوئی تم میں سے دوسرے پر بس چاہیے کہ ادا کردے وہ جس پر اعتبار کیا گیا ہے اپنی امانت کو اور ضروری ہے کہ ڈرتا رہے

رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ

اللہ سے جو اس کا رب ہے اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص چھپاتا ہے اسے تو یقیناً گنہگار ہے اس کا ضمیر

۳۸۳ لایضار کی را اگر مفتوح ہو (یعنی مضارع مجہول) تو اس کا مطلب ہوگا کہ فریقین سے کوئی کاتب کو غلط لکھنے اور گواہ کو جھوٹی گواہی دینے پر مجبور نہ کرے اور اُن کا وقت بے کار ضائع نہ کرے۔ اور اگر لایضارِ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ کاتب غلط لکھ کر اور گواہ جھوٹی گواہی دے کر کسی کو ضرر نہ پہنچائے اور حق تلفی نہ کرے۔

۳۸۴ اور اگر تم حالتِ سفر میں ہو۔ وہاں کوئی وثیقہ نویس بھی نہیں اور گواہ بھی موجود نہیں اور تم اُدھار پر کوئی لین دین کرنا چاہتے ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ خریدنے والا قیمت کی جگہ اپنی کوئی چیز بیچنے والے کے پاس گروی رکھ دے۔ جب قیمت ادا کرے تو اپنی گروی شدہ چیز واپس لے لے۔ یہاں حالتِ سفر میں گروی رکھنے کا ذکر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سفر کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں بلکہ اغلباً یہ صورت کہ نہ وثیقہ نویس ہے اور نہ گواہ سفر میں ہی پیش آتی ہے اس لیے سفر کا ذکر کیا، ورنہ حضر میں بھی رہن رکھنا درست ہے۔ لیکن گروی رکھی ہوئی چیز سے کوئی فائدہ اُٹھانا شرعاً ممنوع ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی ۳۹ ع ۲ ۷

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین

الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ

میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو ۳۸۵ جو کچھ ۳۸۶ تمہارے دلوں میں ہے یا تم اسے چھپائے رکھو حساب لے گا تم سے اس کا

اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی

اللہ تعالیٰ پھر بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اور اللہ تعالے

كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

ہر چیز پر قادر ہے ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے

۳۸۵ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام بے چین و بے قرار ہو گئے مغموم و افسردہ ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ اے اللہ کے پیارے رسول! آج تک جو احکام (نماز، روزہ، حج، جہاد) نازل ہوئے اُن پر ہم عمل کر سکتے تھے لیکن اس آیت پر عمل کرنے کی ہم میں طاقت نہیں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً گرتے ہوؤں کو سہارا دیا اور پھسلتے ہوؤں کو تھام لیا۔ فرمایا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ مت کہو سمعنا وعصینا ہم نے حکم سن تو لیا لیکن مانا نہیں بلکہ شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں بے چون و چرا عرض کرو سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير۔ صحابہ کرام نے اپنے آقا و مولا ہادی و مرشد کا ارشاد گرامی سن کر فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور زبان پر جاری ہو گیا سمعنا واطعنا الخ جب غلامان مصطفےٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء نے یہ عرض کی تو اس سبوح و قدوس نے آمن الرسول الخ فرما کر ان کے ایمان کی تصدیق فرما دی۔ سبحان اللہ العظیم والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔

۳۸۶ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے یہاں خوب تحریر فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:۔ انسان کے دل میں دو طرح کے خیال آتے ہیں۔ ایک بطور وسوسہ کے اُن سے دل کا خالی کرنا انسان کی مقدرت میں نہیں لیکن وہ ان کو برا جانتا ہے اور عمل میں لانے کا ارادہ نہیں کرتا۔ ان کو حدیث نفس اور وسوسہ کہتے ہیں اس پر مؤاخذہ نہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے دلوں میں جو وسوسے گزرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے تجاوز فرماتا ہے۔ جب تک کہ وہ اُنھیں عمل میں نہ لائیں یا ان کے ساتھ کلام نہ کریں۔ یہ وسوسے اس آیت میں داخل نہیں۔ دوسرے وہ خیالات جن کو انسان اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور ان کو عمل میں لانے کا قصد و ارادہ کرتا ہے ان پر مؤاخذہ ہو گا اور اُنھیں کا بیان اس آیت میں ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ قف

اور (ایمان لائے) مومن یہ سب دل ۳۸۷ سے مانتے ہیں اللہ کو اور اُس کے فرشتوں کو اور اُس کی کتابوں کو اور اُس کے رسُولوں کو

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

(نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اُس کے رسُولوں سے اور اُنھوں نے کہا ہم نے سُنا اور ہم نے اطاعت کی

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر

وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ

جتنی طاقت ہو اس کی۔ اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر وبال ہوگا جو (بُرا عمل) اس نے کمایا اے ہمارے رب! پکڑ ہم کو ۳۸۸

اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا

اگر ہم بھُولیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے

حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ

تو نے ڈالا تھا اُن پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے ہمارے پروردگار! نہ ڈال ہم پر وُہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت

۳۸۷ اس آیت میں ایمان کا اجمالی تذکرہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننا، فرشتوں کو نوری اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار مخلُوق تسلیم کرنا، تمام آسمانی کتابوں کو صحیح ماننا، تمام رسُولوں کی رسالت پر بلا استثناء ایمان لانا اور یومِ قیامت پر یقین رکھنا یہ ہے ایمان۔

۳۸۸ یہ پیارے پیارے دلنشیں اور اثر آفریں کلمات دُعائیہ جُملے ہیں۔ کریم و بندہ پرور اور ذرّہ نواز مولا تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو خود سکھاتا ہے کہ مجھ سے یہ مانگا کرو اور یُوں مانگا کرو۔ میرے درِ رحمت پر دستک دینے کا یہ طریقہ ہے اور جب کریم اور بہت کریم، سخی اور نہایت سخی گدائے بے نوا کو کہے کہ آ مجھ سے مانگ تو جب وُہ گدائے بے نوا اخلاص و نیاز اور سوز و گداز سے عرض کرے گا تو ضرور وُہ عرض قبُول ہو گی۔ اِس دُعا میں جسمانی و رُوحانی، انفرادی اور اجتماعی، دینی و دُنیاوی ہر قسم کی سعادتوں، نعمتوں اور سرفرازیوں کے لیے التجا ہے اسی لیے تو حضُور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا

نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر توہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے تو مدد فرما

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

ہماری ، قوم کفّار پر

وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم نے فرمایا :-

اوتیت ھٰذہ الآیات من آخر سورۃ البقرۃ من کنز تحت العرش لم یؤتھن نبی قبلی۔

سُورۃ بقرہ کی یہ آخری آیتیں مجھے عرشِ عظیم کے نیچے جو (رحمتوں اور برکتوں کا ربّانی) خزانہ ہے اس سے عطا فرمائی گئی ہیں۔ اور یہ وُہ اِنعامِ عظیم ہے جو اور کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔